بیادگار: مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عثمان معروفی علیہ الرحمۃ، متوفیٰ ۲۰۰۱ عیسوی

سرپرست: حضرت مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب، شیخ الحدیث جامعہ ام حبیبہ، پورہ معروف

ماہ اکتوبر، ۲۰۲۳۔ مطابق: ربیع الاول والثانی۔ ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ پیغام پورہ معروف

مدیر: انصار احمد معروفی

نائب مدیر: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

شائع کردہ: دفتر ماہنامہ پیغام، پورہ معرف، محلہ بلوہ، کرتھی جعفر پور، ضلع مئو۔

قرآن کریم اور مشرکین

کفار کی قرآن کریم سے عداوت کا حال اللہ نے ذیل کی آیت میں بیان کیا ہے کہ وہ اس کی بنیادی باتوں یعنی توحید و رسالت اور بعث بعد الموت سے اختلاف کی وجہ سے اس قدر بپھرے ہوئے رہتے ہیں کہ ان کا بس چلے تو وہ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے والوں پر جان لیوا حملہ کر دیں۔ اللہ پاک نے فرمایا اس سے زیادہ تمہیں غصہ اس دن ہوگا جب تم لوگوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُنَا بَيِّنَٰتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِٱلَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ٱلنَّارُ ۖ وَعَدَهَا ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ۔ سورۂ حج آیت نمبر ۷۲۔

یعنی جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں، کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اپنے غصے کا اظہار وہ مومنوں پر دست درازی کر کے یا بدزبانی کے ذریعے سے شروع کر دیں۔ یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لئے اللہ کی توحید اور رسالت و قیامت کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے، جس کا اظہار، ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے، جس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے (فتح القدیر)

یعنی ابھی تو آیات الٰہی سن کر صرف تمہارے چہرے ہی حیران ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس رویئے سے توبہ نہیں کی، کہ اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا، اور وہ ہے جہنم کی آگ میں جلنا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔

حج وعمرہ ۲۰۲۳۔مشاہدات وتاثرات۔ چوتھی قسط

انصار احمد معروفی

اسی دن وہ (محمد عابد بن جناب محمد عرفان ابن ممتاز مرحوم، بلوہ) ہمیں "معرض الوحی الثقافی" کی سیر کرانے لے گیا۔ وہ انٹرنیٹ پر ریسرچ کر کے ہمیں وہاں لے گیا تھا، اس میوزیم کا افتتاح ہوئے ابھی سال بھر نہیں گزرا تھا، عابد بھی یہاں پہلی بار آیا تھا، اس کی عمارت دور تک پھیلی ہوئی تھی، مگر باہر سے اندر کی کیفیت کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا، ایک سوڈانی صاحب نے بتایا کہ اندر جایئے، دیکھنے کی بہت ساری چیزیں موجود ہیں۔ روڈ کے کنارے گاڑی پارکنگ کا وسیع انتظام تھا، اندر دور تک بڑی عمارت پھیلی ہوئی تھی، اس پر "معرض الوحی الثقافی" تحریر تھا، یعنی کلچرل وحی میوزیم۔ اس معرض الوحی کے تعارف کے بارے میں چند اخباری اقتباسات پیش خدمت ہیں:

''مکہ مکرمہ کے انگور کے باغ کے بلند پہاڑوں کے درمیان اور غار "حرا" کے قریب "حرا ثقافتی کالونی" بنائی گئی ہے۔ اس کالونی میں عجائب گھروں اور نمائشوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جو زائرین کے مذہبی اور ثقافتی تجربے کو بہتر بنا دیتا ہے۔ یہاں ایک وحی گیلری اور قرآن کریم کا ایک میوزیم بھی موجود ہے جو آج ایک ثقافتی سیاحتی نشان بن گیا ہے۔ اس کالونی کی نگرانی رائل کمیشن برائے شہر مکہ ومقامات مقدسات کرتا ہے''۔ 67 ہزار مربع میٹر پر محیط "حرا کلچرل کالونی" میں مختلف حصوں میں پہاڑ اور غار کی ایک تاریخ بیان کی جاتی ہے۔ یہاں آنے والے میوزیم آف ہولی قرآن، وحی گیلری، غار میں چڑھنے کے راستے اور زائر مرکز کو دیکھ کر اپنے مذہبی اور ثقافتی تجربے کو مزید قیمتی بنا لیتے ہیں۔ حرا کلچرل کالونی نے اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ پر کہا کہ وحی کی نمائش کو غار حرا سے منسلک کیا گیا ہے۔ اس نمائش میں غار حرا میں پہلی وحی کے نزول کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ نمائش کے پہلی وحی کے نزول کے واقعہ کو پرکشش انداز میں پیش کیا گیا ہے جس میں حضرت خدیجہ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے کردار بھی موجود ہیں۔ حرا کلچرل کالونی نے قرآن مجید کے میوزیم اور اس منصوبے کے اہم اجزا پر بھی توجہ دلائی اور کہا کہ اس میوزیم کا مقصد درست مواد اور تکنیکوں سے قرآنی نسخوں کے وسیع نظام کو متعارف کرانا ہے۔

تفصیلات کے مطابق سعودی حکومت نے مکہ مکرمہ میں غار حرا کے قریب قائم اسلامی میوزیم قائم کیا ہے۔ میوزیم میں ڈیجیٹل اسکرینیں اور غار حرا کے ماڈل لوگوں کی خاص توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

ان دونوں ثقافتی مراکز کا مقصد یہاں آنے والے زائرین اور عازمین کو قبل از اسلام سے لے کر موجودہ دور تک کی تاریخ کے حوالوں سے پیغمبر اسلام کے مشن سے آشنا کرنا ہے۔ واضح رہے کہ مکہ مکرمہ میں موجود مقدس مقامات کے لیے رائل کمیشن اور دیگر ایجنسیوں کی زیر نگرانی 67 ہزار مربع میٹر سے زائد رقبے پر حرا کلچرل ڈسٹرکٹ کے قیام کے لیے کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اس ثقافتی کالونی میں تجارتی سہولیات بھی موجود ہیں، ریستوران اور کیفے ہیں جہاں پر لذیذ مقامی اور بین الاقوامی پکوان اور مشروبات تیار کئے جاتے ہیں۔ اس شہر اور مقام سے متعلق تحائف بھی خریدے جا سکتے ہیں۔ غار حرا والے اس پہاڑ کے ساتھ مختلف قسم کی اشیا کے سٹورز موجود ہیں۔ حرا کلچرل مرکز زائرین کو کوہ حرا کے نچلے حصے سے غار حرا تک جانے کیلئے پکی سڑک کی سہولت بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ غار حرا تک جانے والی واحد پکی سڑک ہے۔ (مگر ابھی زیر تعمیر ہے)

غار حرا کیا ہے؟ غار حرا ایک خلا ہے جس کا دروازہ شمال کی طرف ہے۔ یہ چار ہاتھ لمبا، ایک ہاتھ چوڑا ہے۔ اس میں ایک موٹا آدمی بیٹھ سکتا، ایک موٹا آدمی کھڑا ہو سکتا اور چند آدمیوں کی گنجائش ہے۔ غار کے اندر کا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہے۔ جبل النور سے مکہ مکرمہ کی چھتوں کو دیکھا جا سکتا۔ یہ پہاڑ مسجد حرام سے لگ بھگ 10 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جبل النور پر موجود غار حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔

جیسا کہ آپ نے اخبارات کے تراشوں سے اس میوزیم کا مقصد سمجھ لیا ہوگا، جب کوئی اس میں داخل ہوتا ہے تو اس کا میوزیم کی جانب سے خیر مقدم کیا جاتا ہے، ہم لوگ جب اندر پہنچے تو ایک بڑے مرکزی ہال میں مختلف قسم کے سامانوں کی نمائش نظر آئی، اس میں مکہ مکرمہ میں بنی ہوئی اشیاء فروخت ہورہی تھیں، اس کے اندر ٹکٹ کے ذریعے داخلہ ممکن تھا، اس حصے میں غار حرا میں وحی الٰہی کی ابتدا اور غار پر جانے اور آنے کے مناظر، نیز دیگر انبیائے کرام پر وحی سے متعلق بہت سی معلومات کرداروں کے ذریعے پہنچائی جارہی تھی، مگر اس پر داخلہ ٹکٹ اتنا زیادہ وصول کیا جاتا ہے جو حجاج کرام کی جیبوں پر بہت بھاری پڑتا ہے۔ اب کون ہے جو چالیس پچاس ریال دے کر پہنچے گا؟ یہی حال مدینہ منورہ کے قریب ایک معرض کا تھا، جس کا نام **المعرض المتحف الدؤلی** ہے۔ یعنی انٹرنیشنل میوزیم۔ جب میں نے مسجد نبوی سے نکلتے ہوئے اس بورڈ اور اس کی لمبی چوڑی بلڈنگ کو دیکھا تو اندر جا کر اس کی زیارت کی تمنا ہوئی، قاری خلیل الرحمٰن صاحب ساتھ تھے، جب اس کے بڑے سے گیٹ پر پہنچے تو اس میں داخلے کا ٹکٹ ایک شخص کا 40 ریال بتایا گیا، اس میں مسجد نبوی کی تعمیر کے تاریخی ارتقا سے متعلق معلومات اسکرین پر دکھائی جاتی ہے، اتنے گراں ٹکٹ کا نام سن کر ہم لوگ مسجد نبوی میں آ کر بیٹھ گئے۔

کرایہ زیادہ: یہی حال **معرض الوحی** کا بھی تھا، اس لیے بغیر ٹکٹ والے علاقے میں گھوم کر اس کے دوسرے حصوں میں پہنچ گئے، وہاں میں نے بہت سے نوجوانوں کو ایک ساتھ ایک لباس میں ملبوس دیکھ کر سمجھا کہ یہ سب لوگ مسقط وعمان کے ہوں گے، جن کے سروں پر رومال بندھا ہوا تھا۔ مگر لباس میں رنگینی کچھ زیادہ محسوس ہورہی تھی۔ پھر ان کو نظر انداز کر کے کچھ دور ایک ہال کی گیلری سے آگے بڑھے، سامنے کچھ بدو عربی لباس میں اونٹوں پر سوار دکھائی دیے، وہ ہمیں عربی زبان میں کچھ بول کر اپنے پاس بلا رہے تھے اور ہاتھوں سے اشارہ کر کے اونٹ پر بیٹھنے اور اس سیاحت کی دعوت دے رہے تھے۔ مگر یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں ان کا حق الخدمت کیا ہوگا؟ کہیں یہ بھی ہماری جیب ہلکی کرنے کے لیے تو نہیں بلا رہے ہیں؟ پتہ نہیں ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوجاتا ہے کہ ہم لوگ سارے ریال ساتھ لیے پھر رہے ہیں جن کا بوجھ کم کرنے کے لیے یہ تلے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی دعوت ٹال دی گئی اور آگے بڑھ گئے، حالاں کہ یہ لوگ اونٹ پر بیٹھا کر مفت میں معرض کی سیاحت کرانے والے تھے، اصل عمارت سے قبل دروازے پر ایک بڑا سا خیمہ لگا ہوا تھا جن میں وہی عمانی لڑکے زرق برق لباس میں موجود تھے، ان کے سامنے صوفے لگے تھے اور میز پر کچھ چیزیں مشروبات کی قبیل سے نظر آرہی تھیں، مگر ہم لوگ محمد عابد کے پیچھے پیچھے آگے بڑھ گئے، یہ ایک بہت بڑی مسلسل عمارت تھی، جس میں بڑے بڑے ہال بنائے گئے تھے، اندر خانۂ کعبہ کی تصاویر، غلافِ کعبہ کے مناظر، اور دوسری تاریخی چیزیں دکھائی دے رہی تھیں، وہاں ہمارے استقبال کے واسطے ایک عربی نوجوان آگے بڑھا، سر پر لال رومال، خوبصورت سفید جبہ؛ جنہیں ہمارے استاد حضرت مولانا مفتی محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر میں کہا ہے کہ جب سے عربوں میں عورتوں کا لباس آ گیا تب سے ان کی شان گھٹ گئی۔ اس نوجوان کا نام میں نے پوچھا تھا مگر اب بھول گیا ہوں، اس نے کہا کہ عربی زبان سمجھتے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، وہ خوش ہوگیا، اب وہ ہمارا گائیڈ بن گیا تھا، اور اسی خدمت پر مامور تھا، وہ ہمیں ایک جانب سے گھماتا ہوا لے گیا، دیواروں پر کعبۃ اللہ کی تصاویر، جو اپنی پینٹنگ کے ذریعے اپنی تاریخ بتا رہی تھیں۔

تاریخ سے متعلق رہنمائی: اس نے اپنی زبان میں بتایا کہ یہ دیکھیے کہ فلاں صدی کے فلاں سال میں حجاج کرام بحری اور بری راستے سے کس طرح حج کے لیے تشریف لاتے تھے؟ ان کی میقات کیا تھی؟ وہ کن کن راستوں سے گزر کر مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے؟ غلافِ کعبہ کب اور کہاں نیز کیسے بنتا تھا؟ نیز حج وعمرہ اور مسجد حرام اور اس کے متعلقات کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور دیواروں پر لگی پینٹنگ سے اچھی طرح سمجھایا۔ وہ جب اپنا کام مکمل کر چکا تو دوسرے مرحلے میں اس نے ہمیں پہنچا دیا اور ایک دوسرے گائیڈ کو ہمارے حوالے کر دیا، یہاں غلافِ کعبہ کی اونچی اونچی پینٹنگ اور غلاف بھی لٹکائے گئے تھے، یہاں مکہ مکرمہ میں بنی ہوئی جائے نماز، اور اس طرح کی تاریخی چیزیں دکھائیں، جو فروخت کے لیے بھی رکھی گئی تھیں۔ دوسرے حجاج کرام بھی چہار جانب سیاحت میں مصروف نظر آئے۔ تاریخی ارتقا اور ان چیزوں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ جگہ بہت مناسب ہوگی۔ یہاں ہمیں بہت اچھا لگا، ان کے ساتھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور خیالات کا اظہار جانبین سے جاری رہا۔

جب وہاں سے گھوم پھر کر باہر نکلے تو پھر ہم لوگوں کا استقبال کیا گیا اور اسی خیمے کی طرف لے جایا جانے لگا جدھر سے آئے تھے۔ وہاں کئی اونٹ اب بھی موجود تھے، ان کے اوپر کجاوے، محمل وغیرہ مزین تھے، انہوں نے ہم سے ان پر بیٹھنے کی درخواست کی، میں ایک اونٹ پر بیٹھ گیا جو پہلے سے بیٹھا ہوا تھا، جمال نے اونٹ اٹھا کر چلانے اور گھمانے کی درخواست کی، مگر میں تیار نہیں ہوا۔ اہلیہ سے ردیف بننے کو کہا تو پہلے تو وہ پیچھے ہٹ گئی، بعد میں اونٹ کا کجاوہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی، میوزیم والوں کی طرف سے ویڈیو سازی جاری تھی، اور بہت سے سیاح عکس بندی کر رہے تھے۔ پھر ہمیں اس خیمہ میں لے جایا گیا جو اس میوزیم کی مناسبت سے کھڑا کیا گیا تھا۔

اندر خیمہ میں پہنچے تو مختلف قسم کی تازہ تازہ کھجوروں سے ضیافت کی گئی، اور قہوہ بھی پیش کیا گیا۔ میں نے انہی نوجوانوں سے پوچھا جو مسقطی لباس میں ملبوس تھے کہ آپ لوگ عمان کے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم لوگ مکہ مکرمہ کے ہیں، میں نے کہا کہ یہ لباس تو عمانیوں کا لگتا ہے؟ جواب دیا کہ یہ یہاں دور جاہلیت کے مظاہر اور اس زمانے کے مناظر حقیقت کے روپ میں پیش کیے جا رہے ہیں، کہ گزشتہ زمانے میں لوگوں کی زندگی اور ان کے لباس کیسے تھے؟ اونٹوں پر کس طرح سفر کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ مکہ مکرمہ میں دورِ جاہلیت کے لوگ یہی لباس پہنتے تھے، اونٹوں کے کجاوے اور محمل اسی طرح کے ہوتے تھے، جس طرح میوزیم میں خانۂ کعبہ کی قدیم تصاویر اور ان کے آنے کے راستوں کو پردے پر دکھایا گیا، یا تصویروں کی مدد سے سمجھایا گیا، اسی طرح ہم لوگ ان کے ماضی کے لباس، ان کے خیمے، اور آداب ضیافت حقیقت کے روپ میں دیکھ رہے تھے، گویا وہ لوگ "کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں" پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ قہوے، کھجوریں، یہ خیمے، یہ چائے اور قہوے کے پرانے برتن، اور یہ اونٹ سب کے سب اسی دور کی یادگاریں اور تاریخی مناظر تھے۔ چنانچہ میں نے وہاں غور کیا تو پایا کہ نہایت پرانی چائے دانیاں، لباس، اور خیمے سب کے سب اسی دور کی منہ بولتی تصویر تھیں۔ محمد عابد نے کہا کہ مولانا صاحب! یہاں آ کر اچھا لگا کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ بہت مزا آیا، تم نے بہت اچھا کیا جو نیٹ پر سرچ کر کے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا، اس نے کہا کہ میں بھی پہلی بار یہاں آیا ہوا ہوں، کیوں کہ اس کا افتتاح ابھی دسمبر 2022 میں ہوا تھا۔

اونٹ کی سواری: وہاں سے باہر آئے تو محمد عابد نے اونٹ والوں سے کہا کہ مجھے اونٹ پر بیٹھا کر ذرا گھما دو۔ اس نے اونٹ کو بیٹھا دیا، وہ فوراً بیٹھ گیا، پھر اس پر عابد کو بیٹھا دیا اور پھر اونٹ کھڑا ہو گیا، بدو نے لگام پکڑی اور کچھ دور تک چلایا، عابد نے اپنا موبائل مجھے ویڈیو بنانے کے لیے دیا، میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے آن کر کے دیا ہوگا، دھوپ بہت زیادہ تھی، اس لیے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ ویڈیو کیمرہ آن نہیں ہوا تھا۔ اس نے افسوس کا اظہار کیا کہ اسی لیے تو میں اس پر بیٹھا ہوا تھا۔

یہاں سے غار حرا یعنی جبل نور نظر آ رہا تھا، بلکہ اس پر چڑھنے اور اترنے والے بھی دکھائی دیتے تھے، مگر بہت چھوٹے چھوٹے سے، وہ اپنے سفید رنگ کے لباس سے اور واضح ہو رہے تھے۔ اس میوزیم کے پیچھے جبل نور تک سڑک کی تعمیر کا کام شروع تھا، کھودنے کے لئے مشینیں کئی ایک نظر آ رہی تھیں، معلوم ہوا کہ یہاں سے جبل نور تک سڑک بنانے کے منصوبے پر کام ہو رہا ہے۔

باہر آتے ہوئے جگہ جگہ پانی کے ابلتے ہوئے خوبصورت فوارے نظر آئے جو رات کو رنگین روشنیوں کے عکس سے بہت جاذب نظر رنگین نظارہ پیش کرتے ہیں۔ مگر ہم لوگ چمکتی دھوپ اور کڑکتی روشنی میں وہاں کی سیاحت کرنے پہنچے تھے، وہاں روایتی ہوٹل اور تہذیبی اقدار کی علامت کے طور پر قسم قسم کے پکوان سے لوگ لذت کام و دہن میں مشغول تھے۔ سعودی عرب میں ایک زمانے میں پانی کی اس قدر قلت تھی کہ لوگ پانی کے حصول کے لیے دور دراز جگہوں پر جانے کے لیے مجبور ہوتے تھے، اب بھی ایسا نہیں ہے کہ پانی وہاں زیر زمین نکلنے لگا ہے، البتہ سمندر کے پانی کو صاف کر کے ایسا استعمال کے قابل بنا دیا گیا ہے کہ اب وہاں کسی کو پانی کی قلت کی شکایت نہیں رہتی، یہاں معرض الوحی میں دیکھا گیا کہ ایک حوض میں پانی لبالب بھرا ہوا ہے جو حوض کے سنگ مرمر کی دیواروں کو چومتے ہوئے ندی کی سی موج کی طرح انگڑائی لیتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے، جیسے کوئی ٹیوب ویل اندر فٹ کر دیا گیا ہو، جس کے دباؤ میں پانی کی لہریں طغیانی منظر پیش کر رہی تھیں، یہی پانی رات کی بدلتی ہوئی رنگین روشنیوں میں جھل مل جھل مل کرتے ہوئے جب زندگی کے راز کو

مایوس دلوں کے سامنے کھولتا ہے تو امید کی کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں اور قنوطیت کے تاریک سائے امید و آس کی شمع سے روشن ہو جاتے ہیں۔ اس دورویہ پانی کے درمیان میں کھجوروں کے درخت سخت دھوپ میں کھڑے ہو کر غموں کی تپش کو برداشت کرنے کا دلوں میں حوصلہ پیدا کر رہے تھے، اور یہ پیغام دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ کرب و برداشت کے تلخ دور سے گزرنے کے بعد ہی کامرانی کے میٹھے پھل کا ذائقہ مل سکتا ہے۔

واپسی میں محمد عابد جب ہماری بلڈنگ کے قریب پہنچا تو اسے روم میں پہنچ کر کھانے کی دعوت دی گئی مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوا، بلکہ یہ سوچ کر کہ اب یہ لوگ جا کر کھانا بنائیں گے، اس لیے وہیں ایک پاکستانی ہوٹل سے کھانا خرید کر ہمارے حوالے کر دیا کہ آپ لوگوں کیلئے ہدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں اس خدمت کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے اور اس کی تمام مشکلات کو دور فرمائے۔ آمین۔

المراعی کمپنی کے مشروبات: مکہ مکرمہ کی مبارک سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بلڈنگ میں محمد توفیق سے ملاقات ہوئی، یہ محمد عابد کے بڑے بھائی تھے، یہ بھی "سائق السیارۃ" یعنی ڈرائیور ہیں، ان کے ذمہ بہت سارے کام رہتے ہیں، پھر بھی ہم لوگوں کی محبت میں وقت نکال کر کئی دن آئے اور تحائف کے ساتھ آئے، گاڑی میں بیٹھا کر مختلف جگہوں کی سیر کرائی، ایسا لگتا تھا کہ ان کو دہی بہت پسند تھی، اس لیے ایک دن المراعی کمپنی میں تیار شدہ دہی کا بہت بڑا کمنڈل لے کر آئے، یہ دہی ناشتے اور دیگر اوقات میں بہت کام آئی، اس کمپنی کی اشیاء صاف ستھری اور لذیذ ہوتی ہیں، ایک دن پلاسٹک کے بڑے منہ والے بوتل میں چھاچھ یعنی مٹھا کئی لیٹر لے کر آئے، جو نہایت مفید، مقوی اور لذیذ تھا، وہ دودھ سے گاڑھا اور دہی سے پتلا تھا، چینی ڈال کر اس کو روٹی اور چاول سے بآسانی کھایا جاتا تھا، کئی دن تک وہ ہمارے دسترخوان کی زینت بنا رہا اور پیٹ کی اصلاح بھی کرتا رہا، ایک دن اوسط درجے کی پلاسٹک کی مضبوط پیالی میں رکھی ہوئی دہی کا سیٹ لے کر آئے جس میں چھ پیالیوں میں المراعی کی جمی ہوئی دہی ہمیں کھانے کے لیے تحریک پیدا کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھ کر ہم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر ان بچوں کے شکر گزار ہوئے جو پردیس میں گھر جیسی راحت پہنچانے کے لیے ہم لوگوں کے منتظر تھے، میری اہلیہ محترمہ ان کے ذریعے لائے گئے اتنے قیمتی سامانوں کو دیکھ کر ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبے ہونے کی وجہ سے بسا اوقات کہا کرتی تھیں کہ آپ لوگ یہاں اپنے وطن اور والدین کو چھوڑ کر چند پیسے کمانے کے لیے آئے ہوئے ہیں، اس طرح ہم پر اتنا خرچ نہ کریں، آپ لوگ ہمارے پاس آیئے اور جب چاہیے آیئے، مگر صرف ملنے کے لیے آیئے، ان سب چیزوں سے آزاد ہو کر آیئے، محمد توفیق کہتے کہ چچی جان! کیا اتنے سے ہم غریب ہو گئے؟ ہم کون سی بڑی قیمتی چیزیں لے کر آئے ہوئے ہیں؟ کیا اتنی معمولی چیز سے ہم زمین خرید لیتے؟ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، ہم تو یہ چاہتے تھے کہ کسی دن آپ سب لوگوں کی اپنے روم میں دعوت کرتے اور پرندوں کا گوشت بنا کر کھلاتے، مگر ابھی اتنی پابندی ہے کہ دعوت کرنی ذرا مشکل ہے، اس لیے اتنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

میری اہلیہ ان لوگوں کے اکرام میں وطن کی وہ مٹھائیاں انہیں دیتیں جو اپنے ساتھ ہم لوگ لے کر گئے تھے، کبھی موقع ہوتا تو محمد توفیق کو ناشتے کے لیے بیٹھا لیا جاتا، ایک دن ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لئے اہلیہ کہنے لگیں کہ مکہ مکرمہ چھوڑنے اور مدینہ منورہ جانے سے پہلے ان بچوں کی دعوت کر دینی چاہیے، مگر ان بچوں کی مشغولیت کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔ محمد توفیق نے آخری ملاقات کرنے کے لیے آنے کو کہا تھا مگر اس کے ذمے اتنا کام تھا کہ ملاقات نہیں ہو سکی، اس کی ڈیوٹی دن کے ساتھ رات کو بھی رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی اس کا کفیل؛ جس کی ایک بڑی دکان بھی تھی، وہ حجاج کرام کو اپنی دکان میں سے کئی چیزیں گاڑی میں بھر کر لے جاتا اور جگہ جگہ مفت تقسیم کرتا، توفیق نے بتایا کہ وہ اکثر حرم شریف کے اس گیٹ کی جانب جاتا جدھر حطیم کا حصہ ملتا ہے، ادھر ایتھوپیا کے غریب حجاج کرام رہتے ہیں، توفیق نے بتایا کہ میں گاڑی پر ساتھ ہوتا ہوں، کبھی کبھی اس کی لڑکی اور بہن اپنی جانب سے بہت سے تحفے حجاج کے لیے لے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے بانٹ کر بے انتہا خوش ہوتے ہیں، جب کہ ویسے وہ عام حالات میں گاڑی سے باہر نکل کر ایک منٹ دھوپ برداشت نہیں کر سکتے تھے، مگر جگہ جگہ گاڑی لے جا کر ذوق وشوق کے ساتھ گفٹ تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

حجاج کرام کی خدمت کا جذبہ: ایک دن صبح سات بجے توفیق ہمارے روم پر آیا، میں نے دروازہ کھولا، اس کے ساتھ ایک بہت بڑا

پیکٹ تھا، جس میں کچھ کپڑے یا مصلے معلوم ہورہے تھے، بادی النظر میں یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ یہ سامان گھر پہنچانے کے لیے لایا گیا ہوگا؟ چائے نوشی کے بعد پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ اور کس لیے ہے؟ اس نے تجسس اور سسپنس کا ماحول بناتے ہوئے کہا کہ دیکھیے کیا ہے؟ دیکھا گیا تو ترکی کا تیار کردہ دس عدد مصلی تھا، توفیق نے بتایا کہ میرا کفیل اپنے دکان کا مصلی تقسیم کرنے کے لیے حرم شریف لے گیا تھا، پوری ایک گاڑی تھی، میں نے کفیل سے کہا کہ میرے چچا اور چچی بھی حج کے لیے آئے ہوئے ہیں، اگر اجازت ہو تو میں چاہتا ہوں کہ کچھ ان میں سے ان کے لیے بھی لے لوں، وہ بخوشی راضی ہوگیا، اس لیے میں نے دس عدد ان میں سے آپ لوگوں کے لئے لے لیے، اہلیہ نے پوچھا کہ ان کو کیا کرنا ہے؟ اس نے بتایا کہ اب یہ آپ کی چیز ہوگئی، آپ جو چاہیں کریں، اپنے لیے رکھیں، یا کسی اور کو اس میں سے دیدیں، وہ جائے نماز بہت خوبصورت اور آرام دہ تھی، اس کا اور اس کے کفیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے قبول کرلیا گیا، دل سے دعائے خیر نکلی، اللہ تعالیٰ انہیں بھی خوش وخرم رکھے۔

جب وطن واپسی ہوئی تو ان مصلوں میں سے دو عدد محمد عابد اور توفیق کے یہاں مزید کچھ تحائف کے ساتھ رکھ کر بھیج دیا گیا اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا گیا۔ توفیق و عابد سے یہ بات بھی کہی گئی کہ اگر کوئی سامان آپ لوگوں کو گھر بھیجنا ہو تو دے دیجیے گا، ہم لوگ خوشی سے لے جائیں گے، مگر انہوں نے حجاج کرام سے کوئی خدمت لینے سے انکار کردیا، البتہ نوکیا کمپنی کا ایک پرانا چھوٹا والا موبائل ہمیں دیا کہ اس کی ضرورت والدہ کو ہے، اگر یہ رکھ لیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے، وہ موبائل کتنی جگہ گھیرتا، وزن بھی کوئی خاص نہیں تھا۔ اسے ہم لوگ خوشی لے آئے اور ان کے گھر بھیج دیا گیا۔

اس کے برخلاف ایک شخص ملاقات کے لیے آیا، تو وہاں کے معمول کے برعکس خالی ہاتھ آیا (ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ہدیہ تحفہ لائے، مگر وہاں کا یہ دستور ہے) اور ہاتھ میں ایک بڑا سا موبائل فون لے کر آیا کہ یہ میرے گھر دے دیجیے گا، میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی تو یہاں ہمیں ایک مہینے سے زیادہ دن تک رہنا ہے، اسی میں پھر موسم حج میں منیٰ وغیرہ چھ دن کے لیے جانا ہے، اور اسی دن ہماری بلڈنگ میں ایک مولانا صاحب کے پیسوں کی چوری ہوگئی تھی، بتایا گیا تھا کہ ان کے بیگ سے کسی نے انڈین ایک لاکھ روپے چرالیے ہیں، ان سے میری خود بات ہوئی تھی، اس لیے میں کوئی سامان کسی کا لینا نہیں چاہتا تھا، جب کہ ہم لوگوں کا ابھی ابتدائی دن تھا، پھر وہ اپنا سامان اٹھا کر چلتے بنے اور کبھی دکھائی نہیں دیے۔ ان کی امانت لینے کا مطلب یہ تھا کہ ہم ان کے سامان کی تب تک حفاظت کریں جب تک کہ وہ ان کے گھر تک صحیح سلامت نہ پہنچ جائے۔

خدمت: انسانی مزاج ہر اک کا الگ الگ ہوتا ہے، کوئی تو حجاج کرام کی خدمت اور راحت رسانی کے لیے تڑپتا ہے اور کوئی ان سے خدمت لینے کا بھی منتظر رہتا ہے، کوئی تو اپنے وطن کے حجاج کرام کا اس لیے استقبال کرنے کے لیے بے چین رہتا ہے کہ وہ ہمارے گاؤں کے ہیں، ان سے مل کر اور ان کی خدمت کرکے ہمیں خوشی ہوگی، جب کہ کوئی اس لیے بے چین رہتا ہے کہ فلاں حاجی صاحب آئیں گے تو ان کے ذریعے فلاں سامان گھر بھیجوں گا، انہیں ان حجاج کرام کی خدمت سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، حالاں کہ ایسے لوگ شاید ایک فی صد ہوں گے، ورنہ بہت سے خارجین روزانہ ملنے کے لیے آنا چاہتے تھے مگر کہتے تھے کہ روز آتے ہوئے اچھا نہیں لگتا ہے۔ اکثر خارجین کہتے تھے کہ حاجی صاحبان زندگی میں ایک بار یہاں تمناؤں کے بعد آتے ہیں، ان کی آرزو ہوتی ہے کہ اپنے ساتھ یہاں کے تبرکات؛ جتنا ممکن ہو لے جائیں، بچوں کے لیے کچھ ہدایا و تحائف لے جائیں، ان کو بیگ میں جگہ بنانے اور متعینہ مقدار میں وزن لے جانے کی فکر سر پر سوار رہتی ہے، ایسے میں کوئی اپنا اپنا سامان حاجیوں کے حوالے کرنے لگے تو یہ کتنی بے مروتی کی بات ہوگی؟ آخر وہ اپنا سامان کیسے لے جاسکیں گے؟

بیرونی ممالک کے حضرات سے ملاقات: مسجد المنیرہ عزیزیہ میں نماز کے بعد پاکستان کے ایک عالم صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ پاکستان کے حنفی کسی ادارہ سے فارغ التحصیل تھے، اپنے یہاں کے مدارسِ اسلامیہ کی کارکردگی کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے، دونوں جگہ تعلیم کے مسائل یکساں ہیں، البتہ ان کی باتوں سے علم ہوا کہ ان کے یہاں مدارس میں تعلیم و تربیت کا ماحول خوشگوار ہونے کے ساتھ ساتھ اس لیے قابلِ تعریف ہے کہ وہاں سختی کے ساتھ کنٹرول کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی ایک دن حج سے قبل ایک پاکستانی نوجوان عالم مولانا محمد زوہیب صاحب سے ملاقات ہوئی، اس وقت میں اور حاجی محمد شاہد صاحب اوپر دوسری منزل پر نفلی طواف سے فارغ ہوکر عصر کی نماز کے لیے صف بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، ان سے حاجی صاحب نے ملاقات کی، اور پھر ملکوں سے تعارف ہوتے ہوئے اپنے علاقے تک سلسلہ آیا، میں حاجی محمد شاہد صاحب کے بعد بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے بھی سلام ومصافحہ ہوا، اور پھر خیریت کا تبادلہ ہونے کے بعد کچھ اور باتیں ہوئیں۔ مجھے وہ شکل وصورت سے نوجوان عالم دین لگے، ساتھ ہی سر پر پانچ کلی ٹوپی تھی، جس سے ادراک ہوا کہ ان کا تعلق واسطہ در واسطہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب سے ضرور ہوگا، انہوں نے میرے بارے میں دریافت کیا کہ آپ کی فراغت کہاں سے ہوئی ہے؟ میں نے جب دار العلوم دیوبند کا تذکرہ کیا تو وہ کھل اٹھے، خوشی کے آثار ان کے روشن چہرے سے عیاں ہو رہے تھے، انہوں نے بتایا کہ وہ ایک شیخ کے مرید ہیں جو حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کے خلیفہ ہیں، ان کا نام ڈاکٹر شاہ جلیل احمد اخون ہے، جو جامع العلوم، بھاول نگر، پنجاب، پاکستان کے مہتمم وشیخ الحدیث ہیں، میں نے کہا کہ اس طرح کی ٹوپیاں ہمارے ہاں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھول پوری کے متوسلین لگاتے ہیں، اس وقت ان کی اولاد میں مولانا مفتی محمد عبد اللہ پھولپوری اور ان کے لڑکے ہیں جن کا سرائے میر اعظم گڑھ میں ایک بڑا مدرسہ بیت العلوم کے نام سے قائم ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے یہاں سے وہ کتنی دور ہے؟ میں نے کہا بہت قریب ہے۔ بہت خوش ہوئے، میں نے کہا کہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کے ایک خلیفہ ہمارے قریب میں ہیں جن کا نام مولانا مفتی محمد اسعد قاسمی ہے۔ یہ صاحب اپنے پاکستان میں جلالین شریف وغیرہ جیسی اونچی کتابیں پڑھاتے ہیں، ان کے سوال پر میں نے بھی اپنے سے متعلقہ کتابیں بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ میں کتابوں پر تبصرے بھی لکھتا ہوں اور انہیں اخبارات میں شائع بھی کراتا ہوں، وہ حد درجہ مسرور ہوئے، پھر انہوں نے میرے شیخ کے متعلق دریافت کیا، میں نے بتایا کہ میرے پہلے شیخ حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی تھے، جو حضرت مولانا عبد الجبار صاحب کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے خلیفہ تھے۔ جب کہ میرے دوسرے شیخ حضرت مولانا قاری عبد الستار صاحب ہیں جو گجرات کے ہیں۔

جب میں نے کہا کہ ابھی میں نے اپنی ایک تصوف کی تصنیف میں حضرت حکیم محمد اختر صاحب کی کتاب "معارف مثنوی" سے استفادہ کیا ہے تو بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے بیگ سے ایک کتاب "تحفة ابن الختني 'للحجاج' عنایت کی، یہ کتاب حج وعمرہ سے متعلق بہترین کتاب ہے اور کافی ضخیم ہے۔ یہ کتاب خانقاہ اشرفیہ، جامع العلوم، بہاول نگر پنجاب پاکستان سے ۲۰۲۳ میں شائع ہوئی ہے، ان شاء اللہ اس پر جلد ہی تبصرہ تحریر کروں گا۔ انہوں نے از راہ محبت وعقیدت مجھے کتاب کے ساتھ نقد 35 ریال بھی ہدیہ کے طور پر بڑی لجاجت سے پیش کیے۔ میرا نمبر بھی نوٹ کیا اور روم پر بھی مزید ملنے کے لیے وعدہ کیا۔ مگر ان سے ہماری بلڈنگ شاید بہت دور تھی، اس لیے وہی پہلی اور آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی محبت قبول فرمائے اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے آمین۔

حرمین شریفین کی یادیں: میں سمجھتا ہوں کہ حرمین شریفین کی خوشگوار یادیں ان روحانی جگہوں سے محبتوں کی وجہ سے ہر حاجی اور عمرہ کرنے والوں کو ہمیشہ آتی رہیں گی، بالخصوص وہاں سے وطن واپس آنے کے دو چار مہینے تک وہاں کی کسک دل کے تاروں کو چھیڑ کر نفس نفس میں سرور اور انبساط پیدا کر دیتی ہوگی، دل ودماغ پر خیالات اور تصورات کے چھا جانے کا کوئی وقت ہوتا ہے نہ ہی جگہ، مقامات مقدسہ کی یادیں دلوں کو کب گدگدا جائیں؟ کب ماضی کے حسین تصورات کی دنیا میں پہنچا دیں؟ اور کب حاجی اپنی بے چارگی پر دل مسوس کر رہ جائے؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا، حرمین شریفین کی دلکش بلند وبالا عمارتوں اور ان کے روشن بلند ترین میناروں کی کشش سے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ دن میں جاگتی آنکھوں کے خواب کی طرح حاجی اپنے آپ کو وہیں پاتا ہے، دن تو دن ہے، رات میں بھی جب نیند کھلتی ہے تو ذہن اور روح میں ان کے سما جانے کے باعث ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حرمین شریفین ہمارے سامنے ہیں اور ہم اب نیند سے اٹھ کر وہیں جانے کی تیاریوں میں لگنے والے ہیں، مکہ میں اپنے روم کے در ودیوار ہی اعصاب پر اس طرح سوار رہتے ہیں، کہ یوں لگتا ہے ہم اپنے گھر میں نہیں، بلکہ عزیزیہ بلڈنگ نمبر ۱۸ کے روم میں سانس لے رہے ہیں اور پھٹی پھٹی نظروں سے انہی کے نقوش کو

اطراف میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہوش وحواس درست ہونے پر جب اپنے ہی گھر کے در و دیوار پر نظر جاتی ہے تو دل عجیب سی کیفیت سے دو چار ہونے لگتا ہے۔

کپڑے دھونے کے وقت بھی احساس ہوتا رہتا ہے کہ کبھی ہم لوگ مکہ مکرمہ میں اپنے کپڑے دھویا کرتے تھے اور بہت جلدی صاف ہوجایا کرتے تھے، یہاں جب کپڑے جلدی جلدی میلے ہوجاتے ہیں تب دیار مقدسہ کی یاد آنے لگتی ہے کہ وہاں کپڑے کئی کئی دن تک صاف رہا کرتے تھے، یہاں جب برسات کی گرمی ستاتی ہے تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی بے اختیار یاد آنے لگتی ہے کہ وہاں راستے میں اگرچہ بہت تیز دھوپ لگتی تھی، مگر حرمین شریفین پہنچ جانے یا روم پر چلے جانے سے ساری تپش اے سی کی ٹھنڈی ہواؤں سے کافور ہوجاتی تھی، یہاں اگست میں موسم برسات کے باعث جب تیز ہوا چلتی ہے اور آندھی کی وجہ سے لائٹ چلی جاتی ہے تب بھی وہیں کی یاد ستانے لگتی ہے کہ وہاں تو ایک منٹ کے لیے بھی بجلی نہیں جاتی تھی۔ یہاں جب بھوک کم لگتی ہے اور کھانے کا دل نہیں کرتا تو بھی وہیں کی یادیں آنے لگتی ہیں کہ وہاں خوب بھوک لگتی تھی اور خوب کھایا جاتا تھا، کیوں کہ طواف کے دوران خوب محنت ہوجاتی تھی، جس سے ہاضمہ درست رہتا تھا، حالانکہ کھانا اکثر سادہ ہوتا تھا، دال کے ساتھ گھی، اچار یا انڈا وغیرہ دسترخوان پر موجود رہتا تھا، گوشت کم ہی بنتا تھا، مگر خوراک تھی کہ بڑھتی جاتی تھی، اور بھوک تھی کہ وقت سے پہلے کچن کی یاد آنے لگتی تھی، وہاں کے سادے کھانے میں وہ لذت ملتی تھی کہ یہاں کے گوشت میں بھی وہ ذائقہ نصیب نہیں ہوتا۔ ہمارے یہاں تو اوبڑ کھابڑ سڑکیں ہیں، شور مچانے والی گاڑیاں ہیں، یہاں جب کسی گاڑی پر سفر کریے تو وہاں کی شاندار سڑکوں اور آرام دہ بسوں کی یادوں کے نقوش دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں۔ بلکہ ائیر پورٹ سے نکلتے ہی جب یہاں کی کھٹارا بس پر بیٹھے، تبھی احساس ہوا کہ ہم کہاں سے کہاں آ گئے؟ سعودی عرب میں جو صاف صفائی، چمک دمک، روشنی، کشادہ سڑکیں، امن وامان اور جتنی روحانی کشش تھی، یہاں قدم رکھتے ہی اس کی یاد آنے لگتی ہے، پھر بھی اپنا وطن اپنا وطن ہوتا ہے، اپنے وطن سے محبت ہر ایک کو ہوتی ہے، اس لیے ہمیں بھی بھارت سے محبت ہے، مگر انسان دیدہ ملکوں سے اپنے ملک کا تقابل تو ضرور کرتا ہے اور دیگر ممالک کی خوبیاں اپنے یہاں بھی دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے یاد آتا ہے جب میرے والد مرحوم الحاج الحافظ ریاض الدین صاحب متوفی 2008ء نے 1965ء میں بحری جہاز سے حج وعمرہ کیا تھا، وہ جب ممبئی بندرگاہ پر اترے تو کہنے لگے سعودی عرب کے مقابلے میں ہمارا ملک بہت پچھڑا ہوا ہے، جب کہ اس وقت وہاں اتنی ترقی بھی نہیں ہوئی تھی، اب یہاں جہاز سے اترنے کے بعد جب بس پر بیٹھے تو ایسا لگا جیسے آسمان سے زمین پر آ گئے، یہ حقیقت بھی تھی، اور اس اعتبار سے یہ بات صحیح بھی تھی کہ وہاں کی شاندار مگر عام بسوں کے مقابلے میں یہاں کی عام بسیں ایسی تھیں جیسے آسمان سے زمین پر آ گئے ہوں۔ یہ کون سی بس تھی جس کے شیشے بند نہیں، نشست گاہ گندی اور اس کے کپڑے بدبودار، تمام شیشے ''کھڑکھڑ'' کی بے ہنگم صداؤں سے سمع خراشی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

پوری بس اے سی کی سہولت سے محروم ہے، مساجد میں بھی اسی کی تشنگی محسوس ہوتی ہے، گھروں میں آیئے تو بھی یہی احساس دل پر کچوکے لگانے لگتا ہے، تب دل کے کسی گوشے سے آواز آتی ہے کہ دنیا اسی کا نام ہے، جس طرح علم وفضل میں اللہ تعالیٰ کسی کو کسی پر فضیلت بخشتے ہیں، دولت اور عزت میں جس طرح وہ ایک کو دوسرے پر فوقیت عطا فرماتے ہیں، اسی طرح مختلف ممالک اور انسانوں کو بھی ترقی وتنزلی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں، مگر مومن کے لیے تنگ دستی اور خوش حالی دونوں ہی نعمت بن کر آتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مومن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے۔ اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔ اسے خوشی اور خوشحالی ملے تو شکر کرتا ہے۔ اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو (اللہ کی رضا کے لیے) صبر کرتا ہے، یہ (ابھی) اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔ بخاری۔

حرم شریف میں آنے جانے کا انتظام:

دیار مقدسہ میں پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد عزیزیہ بلڈنگ نمبر 218 میں یہ اطلاع موصول ہوئی کہ مفتی عبدالرزاق صاحب قاسمی کی معیت میں کل مکہ

مکرمہ کے مقدّس مقامات کی زیارت کے لئے ایک بس صبح سات بجے یہاں سے جائے گی، خواہش مند حضرات اپنا اپنا نام درج کرالیں، ہم لوگوں نے بھی روم نمبر کے حساب سے اپنے نام لکھوالیے، تیاری کی تو کوئی خاص ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ ظہر کی نماز سے پہلے بس کو واپس آجانا تھا۔ صبح کو سویرے چائے وغیرہ کا ناشتہ کرلیا گیا، ہینڈ بیگ میں کچھ میٹھی چیزیں رکھ لی گئیں، اعلان ہونے لگا کہ سب لوگ جلدی نکلیں، گمان تھا کہ ہم لوگ تو نام وروم وغیرہ سب لکھوا ہی چکے ہیں، جگہ تو متعین ہوگئی ہے، کہیں نہ کہیں سیٹ تو مل ہی جائے گی۔ جب بس پر پہنچے تو بس زائرین سے بھر چکی تھی، اب بالکل بھی گنجائش نہیں تھی۔ عرض کیا گیا کہ جن لوگوں نے نام لکھوالیا تھا، ان کو جگہ دی جائے، مفتی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اب ہم کس کو اٹھائیں اور کہاں بیٹھائیں؟ کہا گیا کہ دیکھ لیں کہ جس کا نام آپ کی فہرست میں نہ ہو، اسے کل کے لیے رکھ چھوڑیں، مگر وہ اس پر راضی نہیں ہوئے کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھانا اچھا نہیں لگتا۔ ہم لوگوں نے بھی زیادہ الجھنا گوارا نہیں کیا، اس لیے یہ زیارت کل پر ٹال کر کمرے میں واپس آگئے۔ طے ہوا کہ جب زیارت کے لیے نہیں پہنچ سکے تو اب حرم شریف جانے کی تیاری کرلیں۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد بیت اللہ شریف کے لیے نکل گئے۔ حرم شریف تک لے جانے والی بس کی خدمت کا حال یہ ہے کہ رات ودن کے چوبیس گھنٹوں میں حجاج کرام جس وقت بھی جانا چاہیں، بس اپنے اسٹاپ پر لگی رہتی ہے، اور ماشاءاللہ مسافرین بھی موجود رہتے ہیں۔ وہاں طواف کرنے والوں کا معاملہ عجیب وغریب ہے، اللہ تعالیٰ کچھ حجاج کے دل میں یہ بات ڈال دیتے ہیں کہ وہ دن کے پہلے حصے میں ناشتے کے بعد حرم شریف چلے جائیں، اور وہاں سے گیارہ بجے واپس آکر کھانا بنائیں اور کھائیں۔ جب کہ دوسرے کے دل میں یہ بات بیٹھا دیتے ہیں کہ آسانی اس میں ہوگی کہ دن کے دوسرے حصے میں کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد چلا جائے۔ اور مغرب یا عشا کی نماز پڑھ کر روم لوٹا جائے، کسی کے دل میں یہ خیال بیٹھا دیتے ہیں کہ سویرے ہی کھانے سے نمٹ کر گیارہ بجے بلڈنگ چھوڑ دی جائے اور عصر تک کا وقت حرم شریف میں گزار کر دن ہی دن میں روم پر چلے آئیں۔

مگر اللہ تعالیٰ کسی کے ذہن میں یہ بات بھی منقش کردیتے ہیں کہ دن میں حرم شریف جانے کے بجائے رات کے قیمتی لمحات وہاں گزارا جائے، ایسے لوگ عشا کی نماز اور اس کے بعد کھانے سے فراغت حاصل کرکے دس گیارہ بجے سوئے حرم چل دیتے ہیں، جب کہ بعض حضرات رات کے ابتدائی حصے میں کچھ سو کر دو ڈھائی بجے حرم میں پہنچ کر طواف اور تہجد کی نماز کی ادائیگی کے ساتھ امام حرم کی قیادت میں فجر کی نماز کے بعد روم میں آتے ہیں اور پھر ناشتے کے بعد نیند پوری کرنے کے لیے سو جاتے ہیں۔ حرم میں فجر کی قرات کے یہ ایسے دلدادہ ہوجاتے ہیں کہ پھر اسے چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رات میں طواف کرنے میں سہولت رہتی ہے اور نیچے کے مطاف میں جانے کی اجازت مل جاتی ہے۔

انسانی طبیعت مختلف قسم کی ہوا کرتی ہے، اگر حجاج کرام مختلف اوقات میں حرم شریف نہ جاکر سب ایک وقت پہنچتے تو بھیڑ دگنا بڑھ جاتی اور سب کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا، دن رات کے مختلف اوقات میں حجاج کرام کی بھیڑ منقسم ہوجانے کے بعد ازدحام کم ہوجاتا ہے اور لوگوں کو آسانی بھی ہوجاتی ہے، بس کے ملنے یا نہ ملنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، دن رات کے مختلف اوقات میں آپ جب چاہیں، نہ صرف بس آپ کے انتظار میں کھڑی ملے گی بلکہ اس پر سوار حجاج بھی موجود ملیں گے۔

ان میں سے سبھی حجاج کرام یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم حرم شریف پہنچیں اس وقت کم سے کم بھیڑ ملے، اور آرام سے طواف وغیرہ کرسکیں، ایسا سوچنا انسان کی فطرت میں شامل ہے، مگر کیا کیا جائے کہ سب کی سوچ اسی انداز کی ہوجاتی ہے، اس لیے سارے اوقات میں بھیڑ کا عالم اتنا رہتا ہے کہ کسی وقت کچھ کمی کا احساس نہیں ہوتا، فکروں میں تواردو تداخل اسی کو کہا جاتا ہے۔ البتہ آپ جب بھی حرم شریف جائیں گے، اور جتنا مجمع آپ کے اردگرد پہنچے گا، تقریباً اتنا ہی مجمع اندر سے باہر آتا ہوا دکھائی دے گا، اس سے آپ کو تھوڑا سا سکون محسوس ہوگا کہ بھیڑ کم ہورہی ہے اور ہمیں حسبِ دل خواہ جگہ مل جائے گی۔ مگر یہ خام خیالی ہوتی ہے، اس لیے آپ کو جب بھی آسانی ہو، اس وقت حرم شریف پہنچیں، ہم لوگ رات کو سونے کے لیے استعمال کرتے ہوئے اسے روم پر گزارتے، مگر دن کا بڑا حصہ حرم شریف جاکر نفلی طواف اور تلاوت میں صرف کرتے، حرم شریف ایک دن میں ایک بار جاتے، کیوں کہ آتے جاتے ڈیڑھ گھنٹے لگ جاتے، اور پیدل بھی بہت چلنا پڑتا، ہمیں باہر ہی اتنا چلا دیا جاتا کہ وہ ایک طواف کے برابر ہوجاتا۔

مکہ مکرمہ کے مقدّس مقامات کی زیارت:

مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے بس میں جگہ نہ ملنے کے باعث وہ عمل دوسرے دن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوا، دوسرے دن بس پر سوار ہونے کے بعد بس کے رہبر نے سفر کی دعائیں پڑھائیں، وہ آزاد کشمیر کے رہنے والے تھے، انہوں نے تمام حجاج کرام کا استقبال کیا اور سفر کی تفصیلات سے آگاہ کیا، حجاج کرام اپنی قسمت پر نازاں ہو رہے تھے کہ آج ہمیں ان مقامات مقدسہ کی زیارت کا ان گنہگار آنکھوں سے موقع ملے گا جن کا نام ہم لوگ اب تک دوسرے حجاج سے سنتے آئے تھے، اب ہم خود ان جگہوں کا بچشم خود مشاہدہ کریں گے اور ان کے نورانی مناظر سے اپنی آنکھوں کو منور کر کے ٹھنڈک پہنچائیں گے اور روحانی مقامات سے دل و دماغ کو روشن کریں گے، فی نفر صرف دس ریال میں یہ بس دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ نکل پڑی اور سب سے پہلے اس جگہ کو دکھانے کا فیصلہ کیا جہاں سے وحی الٰہی کی ابتدا ہوئی، جس کا نام جبل نور ہے، اس میں وہ غار ہے جس کا نام حرا ہے، یہ نام مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے، اس بلند و بالا پہاڑ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے مناجات اور ذکر اللہ کے لیے ایسی اونچی اور یکسوئی کی جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے ایک طرف خانۂ کعبہ نظر آئے اور اللہ کے جلوؤں کا دیدار ہوتا رہے، اور دوسری طرف مخلوقات سے کٹ کر، حتیٰ کہ بیوی بچوں کی محبت اور ان کی کشش سے دور ہو کر بالکلیہ اللہ کی محبت نصیب ہو جائے اور اس کی محبت میں استغراقی کیفیت حاصل ہو جائے۔ آپ یقیناً پہاڑ کی بلندی پر موجود اس گوشۂ تنہائی سے واقف رہے ہوں گے، کسی سے دریافت کیا ہوگا؟ یا اللہ تعالیٰ نے دل میں بات ڈالی ہوگی، ورنہ پہاڑ کی اس چوٹی پر کسی کو جانے کی کیا ضرورت رہی ہوگی؟ آپ کوہ پیما بھی نہیں تھے، اور وہ جگہ مکہ مکرمہ سے پانچ چھ کیلومیٹر دوری پر بھی واقع تھی، یا تو بکریاں چرانے کے وقت اس پہاڑ پر موجود اس غار کی حقیقت سے واقفیت ہوئی ہوگی، بہر حال جو بھی صورت حال رہی ہو، اور جیسے بھی اس غار کا علم آپ کو ہوا ہو، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں عبادت کے لئے چلے جایا کرتے تھے، زیارت کے دوران اس پہاڑ کو دیکھ کر اس بات کا احساس اور تیز ہو جاتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مشقت اٹھا کر اس پہاڑ پر چڑھا کرتے تھے، حالانکہ اس وقت آج کل کی طرح کوئی زینہ بھی تراشا نہیں گیا تھا، آپ تنہا بھی ہوتے تھے، کس طرح دھوپ کی شدت میں تپتے غار میں جگہ بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات گزارتے تھے؟ کیا تنہائی سے آپ کا دل نہیں گھبرا جاتا تھا اور آپ اپنے آپ کو خوفزدہ محسوس نہیں کرتے تھے، کیا آپ کو کسی سے بات کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں ستاتا تھا، مگر بخاری شریف کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مخلوق سے تنہائی اور دوری محبوب بنا دی گئی تھی، اور اس ذات کو تنہائی اور خوف کیوں محسوس ہو؟ جس کے ساتھ اللہ کی ذات ہر وقت سرگوشی کے لیے موجود ہو، وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف کا احساس کیوں دامن گیر ہو جہاں اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات امن و سکون کی خاطر تسلی کے لیے سامنے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے قربت کا یہ ایسا زینہ ثابت ہوا جو نبوت کے ملنے، سفر معراج اور مقام محمود پر پہنچنے کا وسیلہ بنا۔

دور سے اس پہاڑ اور اس کی چوٹی کو دیکھ کر اس کی جانب دل کھنچا چلا جاتا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے کوئی مقناطیسی کشش ہے جو عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے، اور وہاں پہنچنے کے لیے وہ دھوپ اور چڑھان کی مشقت کی پرواہ کئے بغیر مرد و عورت سب کی سب ذوق و شوق کے ساتھ ہانپتے ہوئے چڑھے چلے جاتے ہیں، دور سے ان کے سفید کپڑوں سے ان کے اترنے اور چڑھنے کا پتہ چلتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ پانی کی بوتلیں اور کچھ کھانے کا سامان لے کر جاتے تھے، ہمارے روم کے ساتھی حاجی محمد شاہد صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ وہاں گئے، شوہر نے تو ہمت کر کے اوپر تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کر لی مگر ان کی حجن آدھی دور جا کر تھک گئیں اور کسی چٹان پر بیٹھ کر پھر نیچے اتر گئیں۔

اللہ کی جانب سے سلام: اس وقت مجھے بخاری اور مسلم کی اس روایت کی یاد آئی جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کرنے اور کھانا پہنچانے کے واسطے تشریف لے جاتی تھیں، تعجب تو اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمت اور شوہر سے محبت پر ہوتا ہے جو پہاڑ کی اس بلندی کا راستہ تنہا طے کرنے کے لیے گھر سے کھانے کی پوٹلی لے کر چلتی ہیں، پانچ چھ کیلومیٹر کا راستہ پار کر کے پہاڑ کی بلندی پر قدم رکھتی ہیں، دل کو غیر اللہ سے فارغ کر کے اللہ کی محبت میں دھیان جمائے ہوئے اپنے شوہر کی مدد کے لیے اٹھایا گیا حضرت خدیجہ کا یہ قدم اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آتا ہے کہ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ

حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجتے ہیں اور ام المومنین حضرت خدیجہ کو اپنا سلام پہنچاتے ہیں، ابھی وہ پہاڑ کی اونچائی اور غار کی طرف لے جانے والا راستہ مشقت کے ساتھ چڑھ رہی ہیں کہ ان کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آئی اور فرشتے کے ذریعے اپنا سلام یہ کہہ کر حضور ﷺ کو بھجوا رہے ہیں کہ خدیجہ آپ کے پاس آ رہی ہیں اور ساتھ میں کھانا بھی لا رہی ہیں، روایت کے الفاظ دیکھیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی خدیجہ (مکہ سے چل کر غار حرا میں) آ رہی ہیں، ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں سالن (اور روٹی) ہے جب وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت میں ایک محل کی خوش خبری سنا دیجئے جو خلدار موتی سے بنا ہے اور اس محل میں نہ شور وغل ہے نہ تکلیف وتکان ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کے لئے غار حرا چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں (جیسے ستو) اور پانی وغیرہ لے لیتے تھے تاکہ بھوک اور پیاس کا غلبہ خلوت گزینی میں مخل نہ ہو، ایک دن خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کا کچھ سامان خود لے کر غار حرا پہنچیں اور مذکورہ سعادت و بشارت سے سرفراز ہوئیں۔ واضح ہو کہ عام طور پر ثابت تو یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلوت گزینی کے لئے غار حرا میں جانا اور وہاں عبادت وذکر میں مشغول رہنا اس زمانہ کا معمول تھا جب کہ آپ خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اور آپ کے پاس حضرت جبرائیل کا آنا جانا شروع نہیں ہوا تھا، لیکن اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ مرتبۂ نبوت پر فائز ہونے اور حضرت جبرائیل کی آمد شروع ہو جانے کے بعد بھی کچھ دنوں تک آپ نے یہ معمول جاری رکھا ہو اور انہی دنوں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی دن آپ کے لئے کھانا لے کر غار حرا میں گئی ہوں۔

"ان کو سلام کہہ دیجئے" علماء نے لکھا ہے کہ رب العلمین کا سلام ایسا شرف ہے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں، ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی سلام کہلایا تھا لیکن صرف اپنی طرف سے، اسی لئے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

اس دوران آپ کیا کھاتے اور پیتے تھے؟ اس کے متعلق احادیث میں آیا ہوا ہے کہ آپ اپنے ساتھ کچھ کھانے کی خشک چیزیں لے جاتے تھے اور کبھی حضرت خدیجہ بھی پہنچا دیتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے کتنی محبت کرتی تھیں اس کا اندازہ مذکورہ واقعے سے ہو جاتا ہے، دوسری عورتیں ہوتیں تو پہلے وہ ایسی جگہ جانے پر طعن وتشنیع سے گریز نہیں کرتیں اور کہتیں کہ آپ کو وہاں گھر سے اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر جاتے ہیں تو کئی کئی دن مسلسل رہنے کی کیا وجہ ہے؟ اور اب میں کبھی خیریت معلوم کرنے اور کھانا پہنچانے نہیں آیا کروں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی یہ محبوب بندی اپنے شوہر کی سچی خدمت کر کے اس مقام پر پہنچ گئیں جہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔

یوں تو جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے جنتیوں کو سلام پہنچے گا، جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ یاسین میں اس طرح ہے "سلام قولا من رب رحیم" یعنی کہ رب رحیم کی طرف سے جنتیوں کو سلام۔ مگر یہ دنیا کی واحد خاتون ہیں جن کے نام اللہ تعالیٰ کا سلام حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے دنیا ہی میں آ رہا ہے۔

اس زیارت کے موقع پر بس سے نیچے اتر کر جبل رحمت کو سامنے رکھ کر کچھ دیر دعائیں کی گئیں اور پھر بس میں آ کر بیٹھ گئے، ایک دن محمد عابد کی بھی گاڑی سے اتر کر جبل رحمت کے قریب گئے مگر اوپر چڑھنے کی ہمت اور کوشش نہیں کی گئی، حالاں کہ غار حرا اور غار ثور یہی وہ دونوں مقام ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن اور راتیں گزاریں، اور اس وقت سے اب تک وہ اصلی حالت میں موجود ہیں، اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا ہے۔ جب کہ دیگر

مقامات مقدسہ میں حسبِ ضرورت تبدیلی ہوتی آئی ہے۔

غارِثور: پھر وہاں سے ہماری بس غارثور کی جانب بڑھی، گائیڈ نے تاریخی اعتبار سے اس کی اہمیت کا ذکر کیا، یہ بلندی میں جبل رحمت سے بھی زیادہ ہے، اور دیکھنے میں بیل کے کوہان کی طرح درمیان میں اٹھا ہوا ہے۔ بیل کو عربی زبان میں "ثور" کہتے ہیں۔ یہاں بھی بس سے اتر کر اس کی زیارت سے آنکھ ٹھنڈی کی گئی اور دعاؤں کے بعد بس میں آکر بیٹھ گئے۔ یہاں حجاج کرام نہیں پہنچتے، اگر جاتے بھی ہیں تو بہت کم، کیوں کہ اس پہاڑ پر جانے کے لیے کہیں سیڑھیاں نہیں کاٹی گئی ہیں، تعجب ہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنی اونٹنی سے پہنچے؟ اور کس طرح اس کے غار میں تین دن تک روپوش رہے؟ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحب زادی حضرت اسماء کھانا بنا کر چپکے سے لے جا کر پہنچا دیتیں، پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ ادھر ہی بکریاں چرا کر وہاں آپ لوگوں کو دودھ پلا دیتے، ان حضرات کی یہ قربانی بہت اہم مانی جاتی ہے، کیوں کہ اس وقت ان کے وہاں جانے میں اگر ذرا بھی بے احتیاطی اور غفلت برتی جاتی تو سارا راز کھل سکتا تھا۔ مگر ان حضرات نے اتنی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان نفوس قدسیہ کی ساری ضرورتیں پوری کیں کہ کسی کو شبہ تک نہیں ہوا اور اس طرح یہاں سے مہاجرین کا قافلہ اپنی منزل کی جانب خیر وعافیت سے پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

پرشوق زائرین کو یہ بس اپنے گود میں اٹھائے ہوئے آگے بڑھنے لگی، اور اپنی ٹھنڈی چھاؤں سے عازمین حج کو راحت پہنچانے میں مشغول ہوگئی، اب آگے بس ہمیں منی کے خیموں کی سیر کراتے ہوئے عرفات میں لے گئی، حج کے ایام ہفتے دس دن کے بعد شروع ہونے والے تھے، اس سے قبل عرفات میں موجود مسجد نمرہ کو صاف وشفاف بنا دیا گیا تھا، اندر خادمین مسجد صفائی میں مصروف نظر آرہے تھے، اس لیے اندر جانے نہیں دیا گیا، البتہ دروازے تھوڑے سے کھلے ہوئے تھے جس پر ایک صفائی ملازم مامور تھا، وہ اندر جانے نہیں دے رہا تھا، اس کے جھروکوں سے ہم لوگوں نے اندر نظر دوڑائی۔ یہ مسجد کافی وسیع وعریض ہے، اس کے منارے بلند وبالا اور نہایت حسین وجمیل ہیں۔ اس کے برآمدے میں نفل کی دو رکعت نماز ادا کی گئی، مستورات بھی ہمراہ تھیں، اور باوضو تھیں، انہوں نے بھی شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھی، وہیں کبوتر اپنی خوراک کی تلاش میں مصروف نظر آئے، بہت سے لوگوں نے وہیں سے دانے خرید کر ان میں تقسیم کر دیے، لوگ ان کے دانے چگنے کا دلکش نظارہ دیکھا کیے، کچھ لوگ اپنے کیمروں میں کبوتروں کے یہ خوشنما منظر قید کرتے رہے۔ اہلیہ محترمہ نے بھی ان میں دانے بانٹے اور پھر آگے جبل رحمت کی جانب پیدل سب لوگ گائیڈ کے پیچھے پیچھے چلے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں فرمائیں اور خطبہ دیا ہے، وہاں پہنچنے کے لیے راستے نہیں دکھائی دیے، اس لیے دور سے ہی ہم لوگ کھڑے کھڑے دعا میں مشغول رہے۔ اگرچہ ہم تمام حجاج کو یہاں چند دن کے بعد آنا ہی تھا، مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ کس کا خیمہ کہاں ہوگا اور مسجد نمرہ سے کتنی دور جگہ ملے گی؟ زیارت کے واسطے جہاں جہاں پہنچے وہاں وہاں حجاج کرام کی اچھی خاصی بھیڑ موجود رہتی، کیوں کہ وہی سیاحت کا اصل وقت رہتا ہے اور ظہر سے قبل سب کو اپنے اپنے مستقر پر پہنچنا ضروری ہوتا ہے، اسی بھیڑ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے سامان بیچنے والے حضرات وخواتین زائرین کرام کے واسطے تحفے وتحائف کا سامان بیچتے رہتے ہیں اور لوگ یادگار کے طور پر ان سے خریداری بھی کرتے ہیں۔

اب یہاں سے جب بس چلی تو کہیں اتر کر زیارت نہیں کرائی گئی بلکہ دور سے مسجد الجن، مسجد الشجرہ، جنت المعلیٰ، اور مسجد جن وغیرہ کی زیارت کے بعد اپنی بلڈنگ پر آگئے، واپسی کے وقت ہی سب سے کرایہ وصول کر لیا گیا، پھر گائیڈ نے کچھ اشیاء کی خریداری کے لیے ترغیب دی، اس نے کلونجی، اثمد سرمہ، تیل وغیرہ کے فوائد بتائے اور جس نے خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا اسے وہ چیزیں دیدیں۔ زیارت کی تمام جگہوں پر فٹ پاتھوں پر بہت ساری چیزیں بکتی تھیں، ان میں مہندی، بہت سی بیماریوں کے علاج کے لیے جڑی بوٹی، رومال، سرمہ، عطر، تسبیح اور ٹوپیاں وغیرہ شامل ہیں، کچھ جگہوں سے ہدیے دینے کے لیے چیزیں خرید لی گئیں۔ بعض جگہوں پر بنگالی صفائی ملازمین؛ جو دادودہش کے طلبگار رہتے ہیں ان کو بخشش کے طور پر کچھ ریال دے دیے گئے

صفائی ملازمین: حرمین شریفین میں بھی صفائی ملازمین کا یہ عملہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی خدمات میں منہمک رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرمین شریفین کا جو مقام ومرتبہ ہے، وہ سب پر عیاں ہے، بیت اللہ اور مسجد حرام کی صفائی وستھرائی کا حکم اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام

کوتاکید کے ساتھ دیا ہے، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے، وہاں باقاعدہ حرمین شریفین کی تعمیر وتوسیع اور ان کی طہارت وصفائی کے لیے ایک ادارہ "ادارۃ النظافۃ" موجود ہے۔ اس کے سوا دوسرے نام سے بھی ادارے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بہت سے مطوعین حضرات کو بیت اللہ کے اندر اور باہر یہ خدمت انجام دیتے دیکھا جاسکتا ہے۔ دور جاہلیت میں بھی لوگ اس تعلق سے حرم شریف اور حجاج کی خدمت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ آج بھی سعودی عرب حکومت اس حوالے سے جو خدمت انجام دے رہی ہے اور حجاج ومعتمرین کی امن وسلامتی اور راحت رسانی کے لیے جتنا کچھ کر رہی ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے، حجاج کرام ان کی خدمات کو قدم قدم پر محسوس کر سکتے ہیں اور نظافت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب حکومت کا تمغۂ امتیاز اور نعرہ "خدمت الحاج شرف لنا" قرار پایا ہے۔ یعنی حجاج کرام کی خدمت ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو ملازمین اور ادارے ان کی صفائی وپاکیزگی کی خدمت پر مامور ہیں وہ سب قابلِ فخر اور لائقِ تحسین ہیں۔

حرمین شریفین کے صفائی ملازمین؛ جن کا زیادہ تر تعلق بنگلہ دیش سے ہے، وہ بہت کم تنخواہوں پر یہ خدمت اس لیے انجام دیتے ہیں کہ اس خدمت کی وجہ سے حرمین شریفین میں انہیں نماز ادا کرنے اور عبادت کرنے کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے، ورنہ سال کے بارہ مہینے کس کو وہاں رہنے کا موقع مل سکتا ہے؟ ہزار خواہش کے باوجود حجاج ومعتمرین کو متعینہ وقت کی تکمیل کے بعد مجبوراً حرمین شریفین چھوڑنا پڑتا ہے اور بادل ناخواستہ انہیں ایک دن الوداع کہنا پڑتا ہے، مگر صفائی ملازمین اپنے مفوضہ امور کی انجام دہی کے باعث بیت اللہ شریف کے دیدار سے مستقل طور پر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہتے ہیں، وہیں مسجد نبوی میں حاضر ہوکر اپنی خدمات پیش کرنے کے دوران نماز اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان خوش نصیب بندوں کو صفائی کے دوران حرمین شریفین کے ان مقامات متبرکہ کی قربت کی توفیق میسر ہوجاتی ہے جن کے دیکھنے کی تمنا میں لوگوں کی عمریں گزر جاتی ہیں، بلکہ وہاں کے کتنے مقامات تک رسائی کتنے ان حجاج ومعتمرین کی بھی نہیں ہو پاتی جو بڑی تمناؤں کے بعد لاکھوں لاکھ روپے خرچ کر کے پہنچتے ہیں، حرمین شریفین کی صفائی کے ملازمین کو جب آپ دیکھیں گے کہ وہ بیت اللہ شریف کے پاس پہنچ کر رکن یمانی کی صفائی کر رہے ہیں تو آپ کے دل سے یہ ہوک ضرور اٹھے گی کہ کاش مجھے بھی اس کی صفائی کی سعادت حاصل ہوجاتی۔ جب وہ آگے بڑھ کر حطیم میں داخل ہوجاتے ہیں، جس میں اب داخلہ کی اجازت حجاج کو نہیں، وہاں یہ خدمت گار صفائی کرنے کے طفیل بے جھجک داخل ہوجاتے ہیں اور اس کی صفائی میں مصروف ہوجاتے ہیں تب یہ احساس تڑپا دیتا ہے کہ کاش یہ موقع ہمیں بھی مل جاتا۔ صفائی وپاکیزگی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان ملازمین کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں پہنچنے کے لیے ہر مسلمان وہاں جانے کے باوجود بے قرار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح میں بھی اس جنتی پتھر کے قریب پہنچ کر اسے دیکھ لوں، اسے اپنے ہاتھوں سے چھولوں، اور آگے بڑھ کر اسے محبت میں چوم لوں، وہاں رک کر کچھ دیر اللہ تعالیٰ کے گھر کے سامنے حجر اسود کے پاس دل کی مرادیں مانگ لوں، اپنے دیرینہ ارمان نکال لوں، آج ساری حسرتیں پوری ہوجائیں، تمام آرزوئیں دل سے نکل کر زبان پر آجائیں، اور۔۔۔اور۔

دنیا کی دولت کیا ہے؟ مگر انسان کی ساری تمنائیں پوری نہیں ہوتیں، دلوں کے سب ارمان نکل نہیں پاتے، کچھ حسرتیں حسرت ہی بن کر رہ جاتی ہیں، کچھ آرزوئیں سینے میں گھٹ کر دم توڑ دیتی ہیں، اور انسان وہاں پہنچنے کے بعد بھی حجر اسود کی زیارت اور اس کے بوسے سے محروم رہ جاتا ہے، مگر یہ ملازمین اللہ کے فضل سے حجر اسود کے پاس جا کر اس کی آرام سے صفائی کرتے ہیں، اسے اتنے قریب سے تنہائی میں دیکھتے ہیں کہ کسی اور کو یہ فراغت اور یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی، وہ لوگ اس کو رگڑ رگڑ کر چمکاتے ہیں، اس کو چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں، کبھی یہ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہیں اور اس کے دروازوں اور کواڑوں کو صاف کر رہے ہیں تو کبھی قسمت نے یاوری کی تو شیبی خاندان والوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر پہنچ گئے اور اللہ کے گھر میں داخل ہوکر اس کی صفائی اور اسے خوشبوؤں سے مہکانے میں لگے ہیں۔ ان کی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے جب آپ مدینہ منورہ پہنچیں گے اور ان کی جماعت کو وہاں وہاں ٹہلتا ہوا دیکھیں گے جہاں پہنچنے کو آپ پورے سفر کا ماحصل اور مغز سمجھتے ہیں۔ آپ اس جماعت کو متبرک مقامات کے نزدیک دیکھیں گے، آپ روضۂ

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام پڑھنے کے لئے قریب اور سکون کی جگہ کے خواہشمند ہوتے ہیں، چاہتے ہیں کہ ذرا کچھ لمحہ رک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر سلام پڑھیں، مگر پولیس والے آپ کو رکنے نہیں دیں گے، مگر آپ اسی مقام پر پہنچ کر انہیں اطمینان سے صفائی کرتا ہوا پائیں گے، ریاض الجنہ میں اب کسی کو بار بار جانے کی اجازت نہیں دی جاتی، ہر شخص ایک سفر میں ایک ہی بار روضۃ الجنہ میں پہنچ سکتا ہے، مگر ان حضرات کو دیکھا گیا کہ اسی ریاض الجنہ میں صفائی کی برکت سے موجود ہیں اور نماز کا وقت ہوا تو وہیں نماز ادا کر لی اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ جو خوش قسمت حضرات اس جنت کے ٹکڑے میں پہنچتے ہیں انہیں صرف دس منٹ میں نماز و دعا کی مہلت دی جاتی ہے، جب کہ یہ حضرات وہاں کی جب تک صفائی مکمل نہ ہو جائے، کوئی انہیں باہر نہیں نکال سکتا، دیکھا گیا کہ یہ لوگ اس دروازے کی بھی جھاڑ پونچھ میں لگے ہوئے ہیں جو دروازہ روضۂ اقدس میں جانے کے لیے کھلتا ہے، کیا بعید ہے کہ وہ لوگ روضہ مبارک کے اندر پہنچ کر اس کمرے کی بھی صفائی کرتے ہوں، جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر تھا، اور زمین کا وہ حصہ تمام حصوں سے افضل مانا جاتا ہے۔ اور یقیناً وہاں بھی نظافت کے لیے پہنچتے ہوں گے، دنیا میں بھی انہیں مقامات مقدسہ سے قربت حاصل ہوئی اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی سرخروئی نصیب ہوگی۔

صفائی کرنے والوں کا مقام: صفائی ملازمین کا مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بہت زیادہ تھا، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک کالی عورت یا حبشی مرد یا دونوں مسجد نبوی کی صفائی کرتے تھے، کئی دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہیں دیکھا تو ان کی غیر موجودگی کے متعلق کسی سے دریافت کیا، بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا، آپ نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے وفات کی اطلاع کیوں نہیں کی؟ پھر قبر پر پہنچ کر نماز جنازہ ادا کی۔ قبر پر جنازہ ادا کرنا آپ کے لیے مخصوص تھا۔ بخاری۔

اگر چہ دیکھنے میں ان کی تنخواہیں کم اور معمولی ہوتی ہیں، مگر اس کے عوض انہیں جو ایمانی دولت میسر ہو جاتی ہے، جس کے لیے دنیا ترستی اور تڑپتی ہے، اس روحانی نعمت کا مقابلہ دنیا کی بڑی بڑی دولت بھی نہیں کر سکتی۔ اس لیے وہ کم تنخواہوں پر خوش اور معمولی ریال پر راضی ہو جاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کی مختلف طریقوں سے مدد کرتے رہتے ہیں اور دینی دولت وسعادت سے بہرہ ور کرنے کے پہلو بہ پہلو دنیا کی دولت سے بھی نواز دیتے ہیں۔

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی عظیم خدمات اور سعادت بختی کو دیکھ کر بہت سے مرد و خواتین حجاج ان کو تحفے اور بخششوں سے نوازتے رہتے ہیں، نقد رقم سے ان کی جیبیں بھرتے ہیں اور اس کے علاوہ انہیں دیگر تحائف سے بھی خوش کرتے ہیں۔ بالخصوص انڈونیشیا کے حجاج کرام اس قسم کی عطیات میں پیش پیش رہتے ہیں، دیگر ممالک کے حجاج بھی اکثر کچھ نہ کچھ انہیں ہدیہ دیتے ہیں، بہت سی عورتوں کو دیکھا گیا کہ وہ باقاعدہ ان کی مالی معاونت کے لیے پیسے رکھ کر لے جاتی ہیں اور جو راستے ملتا جاتا ہے انہیں خوشی سے پیش کرتی ہیں۔ دیکھا گیا کہ اسی فیاضی اور سخاوت کی بنا پر وہ ملازمین ان کے انتظار میں چشم براہ ہوتے ہیں اور راستے میں ان کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ انہیں بخوبی تجربہ ہو گیا ہے کہ داد و دہش کے اس معاملے میں کس ملک کے حجاج کرام ممتاز ہیں اور کہاں کے اہل دل اس فیاضی میں لمبے ہاتھ والے ہیں۔

خدمت سے دل خوش ہوتا ہے اور اپنے آس پاس صفائی پا کر عبادت میں دل لگتا ہے، اس لیے صفائی عملہ کی خدمتوں کو دیکھ کر اور ان کی بہترین کارکردگی کا مشاہدہ کر کے ان کے لیے دل میں جگہ بن جاتی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے گھر کی نظافت میں تن دہی سے مشغول ہیں، اور کسی بھی قسم کی گندگی سے حرمین شریفین کو پاک وصاف رکھنے میں جٹے ہوئے ہیں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: وَ عَهِدْنَآ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ○ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے یہ عہد لیا کہ وہ دونوں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لیے میرے گھر کو صاف ستھرا رکھیے۔ سورہ بقرہ۔

سعودی حکومت نے ان کو بڑی تعداد میں ملازمت پر رکھا ہوا ہے، حرمین شریفین کے اندر، باہر، نیچے اوپر، ہر جگہ ان کی ڈیوٹی لگا کر صفائی کا ایسا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ نفاست پسند طبیعت کے حامل افراد بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کثیر تعداد میں حجاج و معتمرین کی بھیڑ بھاڑ کے باوجود؛ جن

میں ہر مزاج اور ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، مگر کہیں بھی آپ گندگی اور تعفن نہیں پائیں گے، جب کہ دیکھا جاتا ہے کہ جہاں کسی پروگرام میں دس بیس ہزار کا مجمع ہوجائے وہاں ہر طرف گندگی نظر آئے گی، بکھرے ہوئے پلاسٹک اور گندگی سے بھرے ہوئے کاغذات دکھائی دیں گے، پھیلے ہوئے پانی اور اس کے نتیجے میں غلاظت، کیچڑ اور بدبودار چیزوں کی بہتات ہوگی، مگر چالیس پچاس ہزار نہیں، تیس چالیس لاکھ کے مجمع کے باوجود کہیں گندگی اور بدبودار غلاظتیں نہیں دکھائی دیں گی، بلکہ کہیں بھی پہنچیں، وہاں بکھرے ہوئے کاغذ، پھینکی گئی پلاسٹک، اور کیچڑ کے وجود کا تصور نہیں کرسکتے، ایسا اعلیٰ انتظام سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیسوں دن ملے گا۔ حرمین شریفین اور سعودی عرب میں پینے کے پانی کی فلٹر بوتلیں بے انتہا تقسیم ہوتی اور استعمال میں لائی جاتی ہیں، حجاج کرام کو بھی وہ پانی کی ٹھنڈی بوتلیں ہر جگہ ملتی ہیں، جنہیں استعمال کرکے لوگ ادھر ادھر پھینک دیا کرتے ہیں، مگر پھینکی گئی ان بوتلوں کو بہت جلد صفائی ملازمین اٹھا کر انہیں ٹھکانے لگا دیا کرتے ہیں۔

حرمین شریفین میں زمزم کا پانی وافر مقدار میں ہر طرف ملتا ہے، جو بڑے بڑے ڈبوں میں رکھا جاتا ہے، ساتھ میں پینے کے لئے پلاسٹک کا خوبصورت اور مضبوط گلاس رکھا ہوا رہتا ہے، وہیں دوسری طرف استعمال شدہ گلاس کو ردی کے طور پر رکھنے کے لیے جگہ بنائی ہوئی رہتی ہے، کتنے لوگ وہ گلاس اس کی متعین جگہ پر رکھ دیتے ہیں جب کہ بہت سے لوگ دوسروں کو پینے کے لئے اسی گلاس میں پانی لے کر صفوں میں جاتے ہیں اور پانی پلا کر بغل میں رکھ دیتے ہیں، انہیں اٹھانے کے لیے دوسرے ملازمین بڑا سا تھیلا لے کر آجاتے ہیں، کسی نے پانی سے پہلے کھجوریں کھائیں، یا کوئی اور چیز کھائی، اب فاضل چیزیں کہیں ڈالنی ہے، اس کے لیے یہی خدمت گار پہنچ جاتے ہیں اور خدمت کرکے راحت پہنچاتے ہیں، ایسے مواقع پر لوگ ان کی موجودگی اور خدمت سے خوش ہوکر ان کے ہاتھ میں کچھ سکے ڈال کر ان کو خوش کردیتے ہیں۔

مستعد خدمت گار: اکثر حمام کی صفائی میں یہ ملازمین موجود رہتے ہیں، حرمین شریفین کے اردگرد بہت سے بڑے بڑے حمام طہارت خانے اور وضو کے لیے بنے ہوئے ہیں، ان کی صفائی وستھرائی پر مامور یہ ملازمین دن رات اپنی ڈیوٹیوں کے وقت حجاج کرام کو راحت پہنچانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں، اپ جب حمام سے قضائے حاجت کے بعد نکلیں گے، تو اکثر انہیں موجود پائیں گے، وہ ہاتھ دھونے کے لیے رکھے گئے صابن یا پیسٹ کی طرف رہنمائی کردیں گے، وہیں وضو کا انتظام رہتا ہے، اور ٹنکی کے سامنے بیٹھنے کے لیے اونچی جگہ بنائی گئی رہتی ہے، وہ جگہ صاف ستھری اور خشک بھی رہتی ہے، مگر یہ آگے بڑھ کر اسے کسی کپڑے سے صاف کردیں گے اور آپ کو بیٹھنے کا اشارہ کردیں گے، وضو کے دوران اگر فاضل کپڑے کہیں رکھنے کی ضرورت ہوگی تو وہ اٹھالیں گے، پھر آپ جب وضو سے فارغ ہوجائیں گے، وہ بڑھ کر آپ کو ہاتھ منہ پوچھنے کے لئے کپڑا دیدیں گے، اب آپ ان کی ذاتی خدمات کے عوض خوش ہوکر کچھ نہ کچھ انہیں دینے کے لیے مجبور ہوجائیں گے، خدمت کے لیے بچھے ہوئے ان حضرات کی مستعدی دیکھ کر آپ کا ہاتھ آپ کی جیب میں ضرور پہنچ جائے گا اور آپ انہیں حرمین شریفین کا خادم سمجھ کر ضرور ان کی مدد کرنے کے لیے مجبور ہوجائیں گے۔

ان خدمت گاروں کی الگ الگ جماعتیں اپنے اپنے کام پر مامور رہتی ہیں، مثلاً کوئی زمزم کا پانی رکھنے اور خالی ڈبوں کو بدلنے پر مامور ہے، کوئی حرمین شریفین میں پانی وغیرہ سے صاف کرنے اور وائپر سے چکنا کرنے پر مامور ہے، کوئی اس کے در و دیوار کو کپڑوں سے مانجھنے اور چمکانے پر متعین ہے، کوئی نیچے اوپر کی تمام جگہوں اور ایک ایک کونے سے گرد وغبار کو دور کرنے کے لیے لگا ہوا ہے۔ کوئی اندر اور باہر سے گلاس اور بوتلوں کو اٹھانے پر مامور ہے، کوئی دوسری گندگیوں کو دور کرنے کے لیے مصروف ہے۔ مگر جس کو جہاں لگا دیا گیا ہے وہ وہاں تندہی سے لگا رہتا ہے، اور کبھی اپنے کام سے غافل نہیں رہتا ہے۔

حجاج اور معتمرین کے لیے رہنما: یہ خدمت گار اپنے مفوضہ کام پر مصروف رہتے ہوئے سب سے زیادہ حجاج ومعتمرین کی رہبری بھی کرتے رہتے ہیں، کیوں کہ یہی ہر جگہ موجود رہتے ہیں اس لیے یہی حاجیوں کی رہنمائی کے لیے کام بھی آتے رہتے ہیں، ایشیائی حجاج اکثر ان ہی لوگوں سے بہت ساری چیزیں پوچھتے رہتے ہیں، یہ لوگ بنگلہ زبان کے علاوہ اردو وغیرہ زبانوں سے بھی واقف رہتے ہیں، اس لیے خوب کام آتے ہیں۔

وہاں صفائی کا عالم یہ ہے کہ کاغذ کا کوئی گرا ہوا ٹکڑا آپ دیر تک پڑا ہوا نہیں پائیں گے، یہ ملازمین اتنے چوکنا اور اپنے کام سے کچھ اتنے باخبر رہتے ہیں کہ حرمین شریفین میں جو قرآن کریم تلاوت کے لیے جگہ جگہ رکھے گئے ہیں، وہ بہت قرینے اور احترام کے ساتھ الماریوں میں سجائے گئے ہیں، مدینہ منورہ میں اکثر کلام اللہ ستونوں کے نکلے ہوئے حصوں پر رکھے ہوئے ہیں، جہاں سے تلاوت کرنے والے اٹھا کر تلاوت قرآن کرتے رہتے ہیں اور پھر ان کی جگہوں پر رکھ دیتے ہیں، حجاج ومعتمرین کے ذریعے رکھے گئے یہ قرآن کریم کبھی بے ترتیب ہوجاتے ہیں، مثلاً اس کی پشت کا حصہ آگے کے بجائے پیچھے ہوجاتا ہے، یا پیچھے کی جگہ آگے ہوجاتا ہے۔ جو دیکھنے میں بے ترتیب اور بھدا لگتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے ان نسخوں کی سائز میں جو فرق ہوتا ہے، وہ بدل جاتا ہے، یا ان نسخوں میں کچھ نسخوں کی جلد نیلے رنگ کی ہوتی ہے تو کچھ کالے رنگ کی، اور تلاوت کرنے والے حضرات بے دھیانی میں اسے ادھر ادھر رکھ دیتے ہیں، میں نے دیکھا کہ ان ملازمین میں سے کوئی شخص جا کر فوراً اسے ان کی جگہوں پر قرینے سے رکھ دیتا ہے اور بے ترتیبی کو درست کر کے بیدار مغزی کا ثبوت دیتا ہے۔ چھوٹے نسخوں کو ان کی جگہ پر اور بڑے نسخوں کو ان کے متعینہ مقام پر رکھنا یوں ہی نہیں ہوتا ہے، میرا خیال ہے کہ ان کی ایسی ٹریننگ دی جاتی ہوگی تاکہ نفاست وتہذیب کی جھلک ہر شعبے سے نمایاں ہوسکے اور حجاج کرام کو اس سے سبق مل سکے۔

عربی اور اردو قرآن مجید: قرآن کریم کا ذکر آیا تو لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیں کہ وہاں کچھ نسخے اہل عرب کے لیے اور کچھ نسخے عجم والوں کے لیے شائع کیے جاتے ہیں، جو عربی نسخے شائع کیے جاتے ہیں وہ خط عثمانی میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں، جن میں اعراب کی شکلیں برصغیر کے اعراب سے جدا جدا ہوتے ہیں، اہل عجم کے قرآنی نسخے خط نسخ میں طبع کرائے جاتے ہیں جو برصغیر میں زیادہ تر رائج ہیں۔ علمائے کرام وحفاظ کے لیے تلاوت کے لیے دونوں نسخے برابر ہیں، مگر دوسرے حضرات کے لیے اس میں تلاوت میں کچھ مشکلات پیش آئیں گی، عرب وعجم کی رعایت میں دونوں نسخے وہاں ایک ساتھ رکھے جاتے ہیں اور اوپر سے ان کے نسخوں کی پہچان کے لیے الگ الگ رنگ کی جلدیں بنوائی جاتی ہیں، تاکہ امتیاز باقی رہے، ان نسخوں کو ہمارے ملک کے بہت سے حاجی انہیں عربی اور اردو میں تقسیم کرتے ہیں، ایک دن میں نے اپنے کمرے کے ایک حاجی صاحب کو اسی موضوع پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہاں بہت سا قرآن کریم عربی میں ہوتا ہے، اور بہت سا اردو میں۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ قرآن کریم سب کا سب عربی زبان میں ہوتا ہے، وہ اردو اور عربی میں نہیں ہوتا، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک اہل عرب کے لیے ہوتا ہے اور ایک اہل عجم کے واسطے۔ ایک صاحب نے جن کے حج 2022 کا سفرنامہ شائع ہوکر مقبول ہوچکا ہے، انہوں نے اسے اعراب اور بغیر اعراب کی تقسیم دے دی ہے، کہ وہاں کا قرآن اعراب کے بغیر ہوتا ہے اور یہاں کا قرآن اعراب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تمام قرآن کریم سعودی عرب کے مجمع الملک فہد میں شائع کیے جاتے ہیں، جن کی طباعت نہایت اعلیٰ اور خوبصورت ہوتی ہے، اس کے کاغذ بہت چکنے اور مضبوط ہوتے ہیں، تمام حجاج کرام کی خدمت میں اس کے نسخے ہدیے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور یہی نسخے حرمین شریفین اور دیگر تمام مساجد میں رکھے جاتے ہیں، ان کے علاوہ دوسرے نسخوں کے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

حج وعمرہ منتظمین: پوری دنیا سے حج وعمرہ کے شائقین حرمین شریفین میں جان ودل لے کر پہنچتے ہیں اور بڑی تمناؤں اور ارمانوں کے ساتھ اس پاک سرزمین پر قدم رکھتے ہیں، ان میں ہر قسم اور ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، عالم وجاہل، امیر وغریب، تندرست اور بیمار، نازک مزاج اور بے حس، نئے اور پرانے، الغرض بھانت بھانت کے لوگوں سے حرمین شریفین بھرا ہوا رہتا ہے، سبھی یہ چاہتے ہیں کہ انہیں بیت اللہ شریف کے قریب سے طواف کرنے کی جگہ مل جائے، طواف کے ہر چکر میں ہم رکن یمانی کو چھوسکیں، حجر اسود کو بوسہ دے سکیں، اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرسکیں، مگر ظاہر بات ہے کہ یہ سنہری موقع سب کو کیسے مل سکتا ہے؟ کون ہے جو خوشی سے مسجد حرام کی بالائی منزل پر جا کر طواف کرنے کے لیے راضی ہوجائے، کس شخص میں یہ دم ہے کہ وہ نیچے مطاف میں آدھے گھنٹے طواف کو چھوڑ کر اوپر جا کر طواف میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگائے؟ مگر مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے، ازدحامی کیفیت کا اندازہ لگا کر حرم شریف کی انتظامیہ لوگوں کو بھیڑ بھاڑ کے منفی ردعمل سے تحفظ کے واسطے قانون بناتی ہے تاکہ سب کو آسانی ہوجائے اور نیچے سے طواف کرنے کا سبھی کو موقع مل جائے۔

وہاں مجمع کو قابو میں رکھنے اور انہیں صحیح رہنمائی کے لیے سیکڑوں پولیس والے تعینات رہتے ہیں، جس کی جہاں ڈیوٹی لگادی جاتی ہے وہ اسے مناسب طریقے سے پوری کرتے ہیں، باہر سے آنے والے زائرین کو کہاں بھیجنا ہے؟ وہ زائر خود نہیں جانتا، اسے یہی پولیس والے نظام کو کنٹرول کرنے کے لیے موجود رہتے ہیں، نیچے اگر بھیڑ زیادہ ہوگئی تو وہ لامحالہ طور پر اب اوپر ہی بھیجیں گے، آپ کسی طرح بھی نیچے نہیں جاسکتے، متحرک سیڑھیوں کے ذریعے آپ کو وہ دوسری، تیسری یا آخری منزل پر پہنچا کر دم لیں گے، کیوں کہ ان سیڑھیوں سے نیچے لے جانے والے راستوں کو بند کر کے اس پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیتے ہیں، اب آپ اوپر سے نیچے کے حصے میں اتر کر نہیں جاسکتے، جب نیچے جانے کی کوشش کریں گے، آپ کو باہر کا راستہ دکھا دیا جائے گا، اور اگر آپ نیچے مطاف یا مسعی میں پہلے سے موجود ہیں، اور آپ کو وضو یا پیشاب وغیرہ کی حاجت ہوگئی تو آپ آسانی سے باہر جاسکتے ہیں، مگر پھر اندر نیچے اپنی جگہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اگر چہ آپ احرام کی حالت میں ہوں، البتہ اگر جگہ خالی ہوگی تبھی ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔ کتنے لوگ اسی واسطے اپنی ضرورتیں دبائے بیٹھے ہوئے کئی کئی گھنٹے گزار دیتے ہیں۔ کتنے لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ باقاعدہ نیند میں سوجاتے ہیں، پھر آدھے ایک گھنٹے کے بعد اذان ہونے پر ویسے ہی جماعت کی نماز میں بے جھجک شریک ہوجاتے ہیں، ایسا مردوں اور عورتوں دونوں میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم یہ کون سا ایسا سونا ہوتا ہے جو ناقض وضو نہیں ہوتا۔ یا کون سے مسلک میں اس کی اجازت دی گئی ہے؟ اللہ جانے کس پانی سے ایسا مضبوط وضو کرتے ہیں جو خراٹے دار سونے سے بھی نہیں ٹوٹتا۔

بس سے اتر کر بھی پیدل چلیں: بلڈنگ سے حرم شریف تک آتے ہوئے جب بس سے اتر جاتے ہیں اور حرم شریف کے گیٹ نظر آنے لگتے ہیں اس وقت پولیس انتظامیہ آپ کو حرم شریف میں ہر طرف سے جانے کے لیے راستے نہیں کھول سکتی، وہ تمام راستوں کو بند کر کے صرف اس راستے سے لے جائے گی جس سے وہ چاہیں گے۔ حالاں کہ جو گیٹ سب سے قریب تھا اور ادھر ہی زائرین بس سے اترے تھے، اسی طرف آپ کو اتنی دور سے وہ گھما کر لے جائیں گے کہ آپ کا باہر چلنا ایک طواف کے برابر ہوجائے گا۔ ہم لوگ اکثر اس چلنے کے دوران کہتے تھے کہ طواف کی ساری طاقتیں تو باہر ہی ان لوگوں نے خرچ کر دی، اب کس طرح مزید چلا جائے گا؟ یہ بے وجہ چلنا نفس پر بڑا بھاری لگتا تھا۔ عورتیں خاص طور پر اس کی شکایت کرتی تھیں، اتنی دور دور تک حجاج کرام کو چلانے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا کہ مجمع ذرا دور تک پھیلا رہے اور بھیڑ کہیں ایک ساتھ اتنی جمع نہ ہو جائے کہ مجمع قابو سے باہر ہوجائے۔ کبھی بوجہل حمام سے اور پیچھے حرم کی تیسری بڑی توسیع کی جانب سب کو پہنچا دیتے کہ چلتے چلتے لوگ تھک جاتے اور پھر ادھر لے جا کر یا تو بالکل اوپر پہنچا دیتے یا نئی توسیع کی بھول بھلیوں میں لے جا کر چھوڑ دیتے، یہ نئی توسیع اتنی بڑی اور اس کے راستے اتنے زیادہ ہیں کہ حاجی کا دماغ وہاں چکرا جاتا ہے اور چلتے چلتے تھک کر کہیں بیٹھ جاتا ہے، بالخصوص جب کہ ساتھ میں عورتیں ہوں، وہاں کی نئی عمارت صرف نماز، تلاوت وغیرہ کے لیے بنائی گئی ہے، یہاں سے خانۂ کعبہ نہیں دکھائی دیتا، اسی لیے یہاں طواف بھی نہیں کیا جاسکتا، یہاں سے نمازیوں کے آگے حطیم اور رکن یمانی کی جانب کا کچھ حصہ ہوتا ہے، اگر آپ یہاں برابر چلتے رہیں تو چلتے چلتے پھر حمام نمبر چھ یا سات کی جانب پہنچ جائیں گے، یعنی خانۂ کعبہ کے دروازے کے سامنے سے بالکل مقابل سمت میں۔

ایک دن ایسا ہمارے ساتھ ہوا، عصر کے بعد کا وقت تھا، نئی توسیع میں گھومتے گھومتے شمال سے جنوب میں پہنچ گئے، چلتے چلتے تھک گئے تھے، اوپر کے مطاف سے طواف کرنے کی طاقت اہلیہ میں نہیں تھی، جب دوسری طرف کو باہر نکلے تو ذرا سا آگے حمام نمبر چھ سات دکھائی دیا، میں نے سوچا کہ اب طواف نہیں کر سکتے، خانۂ کعبہ بھی کہیں سے نہیں دیکھ سکتے، آؤ تمہیں حرم شریف کے قریب باہر کی عمارتیں دکھا دوں، مکہ ٹاور بھی سامنے تھا، لیکن اس میں نہ جا کر جبل عمر ٹاور کی بڑی بلڈنگ میں پہنچ گئے، حرم شریف کے اندر اور باہر چہار جانب انسانوں کا بڑھتا ہوا سیلاب دکھائی دیتا ہے، باہر دور دور تک قالین بچھی ہوئی تھی، ٹاور سے واپسی پر اسے مصلیوں سے بھرا ہوا پایا گیا، جس میں عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ انتظام تھا، سوڈانی حجاج زیادہ نظر آئے، ان کی تعداد بھی دیگر حجاج کے مقابلے میں زیادہ رہتی ہے، نہ معلوم وہاں کے لوگوں کے پیسے کم لگتے ہیں یا ان کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے، ہر جگہ یہ لوگ نظر آتے ہیں اور سب پر غالب بھی رہتے ہیں۔ ہم لوگوں نے بھی مغرب کی نماز باہر ہی ادا کی اور پھر پولیس والوں کو یاد کرتے ہوئے اپنے بس اسٹاپ کی طرف

بغیر طواف کیے چلے گئے۔

بیمار اور کمزوروں کا لحاظ: پولیس والے میرے خیال میں سب کو اپنی طرح تندرست اور توانا سمجھتے ہیں جو حجاج کرام کو ادھر سے ادھر ہانکتے اور دوڑاتے رہتے ہیں، اگر جبل ابوقبیس کی جانب سے کوئی حاجی بس سے اترتا ہے، اس کے لیے صفا کی جانب سے جو باب السلام یا باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑتا ہے وہ راستہ سب سے قریب کا ہوتا ہے، کبھی تو ایسا ہوا کہ اس راستے کی طرف جانے دیا گیا، مگر جب گیٹ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ باب عبدالعزیز کی طرف جایئے، اور کبھی ایسا ہوا کہ باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے نہیں دیا گیا اور نئی توسیع کی جانب چلا دیا گیا اور باب النبی والا راستہ بند کر کے پولیس والوں کو بیٹھا دیا گیا، اب آگے دور تک پیدل چلا کر پھر بالکل اوپر پہنچا دیا گیا، اگر حجاج کرام کو اوپر ہی بھیجنا تھا تو باب النبی سے بھی اوپر جانے کا راستہ ہے، مگر ایسا نہیں ہوتا! کیوں نہیں ہوتا؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ مگر جو بھی وجہ ہو، اس طرح حجاج کرام کو؛ جن میں ضعیف اور مجبور بھی ہوتے ہیں، بہت زیادہ پیدل چلا دیا جاتا ہے۔ انہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ حاجی نیچے یا اوپر جا کر طواف میں اپنے آپ کو تھکانے کے لیے آئے ہوئے ہیں، مگر دونوں کے چلنے میں کافی فرق ہے، طواف کے دوران چلنے اور تھکنے میں بہت روحانی سکون ملتا ہے۔ جب کہ باہر کے حصے میں ادھر ادھر دوڑنے میں بے جگہ توانائی صرف ہو جاتی ہے۔ ایک حاجی صاحب نے پوچھا کہ ہمیں اتنا چلنے اور مشقت اٹھانے پر بھی تو اجر ملے گا؟ میں نے کہا کہ ان شاء اللہ ملے گا، مگر یہ چلنا نفس پر بڑا گراں گزرتا ہے۔

حرم مکی میں آپ طواف کے بعد کبھی رکنا چاہیں اور کہیں بیٹھ کر اطمینان کی سانس لینا چاہیں، یا تلاوت قرآن میں مشغول رہنا چاہیں تو اس کے لیے حرم شریف کی نئی توسیع کی طرف جانا ہوگا، یا پھر حطیم کی سمت میں مسجد حرام کے حصوں میں پناہ لینی ہوگی، تب آپ آرام سے بیٹھ سکتے ہیں، ورنہ دیگر جگہوں پر آپ آرام سے نہیں بیٹھ پائیں گے، ہر وقت سیکورٹی والے ٹہلتے ہوئے آپ کے پاس آ کر کبھی صفائی کے لیے آپ کو اٹھا دیں گے تو کبھی راستہ کہہ کر وہاں سے چلتا کر دیں گے تو کبھی اسے خالی رکھنے کے لیے ہٹا دیں گے، ان کے ہٹانے اور اٹھانے کی ہر وقت تیز تیز آوازیں آپ کے کانوں سے ٹکراتی رہیں گی اور آپ خود کو غیر محفوظ بلکہ خوف زدہ تصور کریں گے، باب کعبہ کی طرف جانے والے راستے کی طرف مسجد حرام میں نہ جانے کیوں بڑا حصہ یونہی گھیر کر خالی چھوڑا رہتا ہے، اسی طرح باہر کے بھی بہت سے حصے خالی دکھائی دیں گے مگر اس میں جانے نہیں دیا جائے گا۔ اب اس کی حکمت وہاں کی انتظامیہ ہی جانے، مگر بادی النظر میں وہ خالی جگہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔

ویسے حرمین شریفین کے اندر ایسی بہت سی جگہیں ہیں جہاں زائرین نہیں پہنچ پاتے، نہ ہی ان کی معلومات رہتی ہے، انہی میں سے لائبریری، میوزیم اور حفاظت سے رکھی گئی نادر اور تاریخی اشیا کی جگہیں ہیں جہاں تک رسائی معلومات نہ ہونے کے باعث نہیں ہو پاتی، جب کہ پڑھے لکھے طبقے کے لیے ان تاریخی جگہوں کی معلومات کے سلسلے میں کہیں وضاحتی اعلان یا رہنمائی ضرور ہونی چاہیے۔ اسی حرم میں حجاج و معتمرین کے لیے دواخانے اور اسپتال بھی ہیں، اگر کسی شخص کو فوری طور پر دوا علاج کی ضرورت پڑ جائے تو اس کا بھی معقول انتظام رہتا ہے اور ڈاکٹروں کے ساتھ دوائیں بھی موجود رہتی ہیں۔ اگر کوئی شخص وہاں کسی وجہ سے کوئی غیر قانونی حرکتیں کرنے لگے تو اس پر قابو پانے اور ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لیے محافظین کا مکمل انتظام رہتا ہے۔ باقی۔۔

احمد فرازؔ کے انٹرویوز: ایک تجزیاتی مطالعہ

مبصر: اسامہ ارشاد معروفی قاسمی
پورہ معروف نگر پنچایت کرتھی جعفر پور، مئو (یوپی)

ڈاکٹر ابراہیم افسر کی نئی کتاب ''احمد فرازؔ کے انٹرویوز'' کے مطالعہ کے بعد میں اپنی گفتگو کا آغاز احمد فرازؔ ہی کے ایک شعر سے کر رہا ہوں جو خود انھیں پر صادق آتا ہے، یہ شعر اگرچہ انھوں نے کسی اور کے لیے کہا ہے:

سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

فرازؔ صاحب سے بالمشافہ تو گفتگو نہیں کی جا سکتی؛ لیکن ان کے انٹرویوز پڑھتے وقت میں خود اسی کیفیت سے دوچار ہو گیا تھا اور تصوراتی دنیا میں اس طرح کھو گیا تھا جیسے کہ میں خود ان سے گفتگو کر رہا ہوں اور فرازؔ صاحب میرے سامنے بیٹھے ہیں، ان کی سنجیدہ، سلیقہ منداور شگفتہ گفتگو سے واقعی ایسا لگ رہا تھا کہ ان کی باتوں سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

احمد فرازؔ راقم کے پسندیدہ شاعروں میں سے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے سچے فنکار تھے حق گوئی اور بے باکی ان کی تخلیقی فطرت کا بنیادی عنصر تھی، انھوں نے حکومت وقت اور اسٹبلشمنٹ کی بدعنوانیوں کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی۔ جنرل ضیاء الحق کی آمریت کو سخت تنقید کا نشانہ بنانے کی پاداش میں انھیں گرفتار بھی کیا گیا، وہ چھ سال تک کناڈا اور یورپ میں جلاوطنی کا عذاب سہتے رہے۔ فراز کی شاعری جن بنیادی جذبوں، رویوں اور تیوروں سے مل کر تیار ہوتی ہے وہ احتجاج، مزاحمت اور رومان ہیں، ان کی شاعری سے ایک رومانی، ایک نوکلاسیکی، ایک جدید اور ایک باغی شاعر کی تصویر بنتی ہے، انھوں نے عشق، محبت اور محبوب سے جڑے ہوئے ایسے باریک احساسات اور جذبوں کو شاعری کی زبان دی ہے جو ان سے پہلے تک ان چھوئے تھے۔ فراز کی شخصیت سے جڑی ہوئی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عہد کے سب سے مقبول ترین شاعروں میں سے تھے۔ ہندو پاک کے مشاعروں میں جتنی محبتوں اور دلچسپی کے ساتھ فراز کو سنا گیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور شاعر کو سنا گیا ہو۔ فراز کی پذیرائی ہر سطح پر ہوئی انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔

احمد فرازؔ کے انٹرویوز پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ ایک معروف و مقبول ترقی پسند شاعر تو تھے ہی؛ لیکن اس کے علاوہ بھی وہ بہت کچھ تھے اور میرے اس خیال کی تصدیق خود انھیں کے ایک شعر سے ہو رہی ہے:

کبھی فرازؔ سے آ کر ملو جو وقت ملے
یہ شخص خوب ہے اشعار کے علاوہ بھی

فرازؔ صاحب اپنے انٹرویوز میں اپنی شاعری کے حوالے سے تو بہت سارے جوابات دیے ہیں؛ لیکن اس کے علاوہ ان کے انٹرویوز میں ان کی ابتدائی زندگی، تعلیم و تربیت، مصائب، جلاوطنی، مخالفین کی مہربانیوں کے تذکرے، سیاسی و سماجی حالات، الغرض ان کی زندگی کے مختلف پہلو اور بہت سے اہم گوشے سامنے آ گئے ہیں جو کہ ہر لحاظ سے مفید اور معلومات افزا ہیں؛ کیونکہ انٹرویوز میں بات سے بات نکلتی ہے اور بہت دور تلک جاتی ہے۔ انسان سوالات کے جوابات میں بہت سے ایسے رازہائے سربستہ سے بھی پردہ اٹھاتا ہے جو شاید کبھی اس کی تحریر کا حصہ بنتے۔ تو اس لحاظ سے شخصیات کے انٹرویوز

اوران کے مجموعے بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اوران سے بہت کچھ سیکھنے جیسا ہوتا ہے اور یہ کتاب بھی انھیں خصوصیات کی حامل ہے۔ کتاب اور فرازؔ کے حوالے سے ابراہیم افسر ''پیش لفظ'' میں لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتاب میں شامل احمد فراز کے انٹرویوز میں ہمیں بیک وقت سیاسی، سماجی اور شعری منظر نامے کو سمجھنے میں آسانی ہوئی ہے۔ ان انٹرویوز کے مطالعے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فراز جلاوطنی کی زندگی یورپین ممالک میں بسر کررہے تھے تو ان کے مخالفین نے ان کے خلاف خوب باتیں رقم کیں۔ بعض لوگوں نے فراز کے خلاف لکھی گئی غلط باتوں پر شدید ردعمل بھی ظاہر کیا۔ ان انٹرویوز سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب وہ لندن میں مقیم تھے تو فیض احمد فیض کی زندگی پر فلم بنانا چاہتے تھے لیکن فیض کی بیٹیوں نے مداخلت کرکے اس فلم کو رکوادیا۔ فراز کی خودساختہ جلاوطنی کی وجہ سے ان کی مختلف جہتیں منظر عام پر آئیں۔ اول انھیں افریقی ممالک کا دورہ کرنے کے موقع ملا۔ دوم انھوں نے افریقی شاعروں کی نظموں اور غزلوں کے تراجم کیے۔ بین الاقوامی ادیبوں کی کانفرنسوں میں شرکت کرنے کے مواقع انھیں ملے، اس درمیان انھوں نے عالمی مشاعروں میں شرکت کی۔ انھوں نے ہمیشہ امن پسند باتوں کا تذکرہ کیا۔ اپنے آخری دنوں میں فراز ہندوستان اور پاکستان کے مابین کشیدگی کو شاعری کے ذریعے کم کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک نظم 'دوستی کے نام' تخلیق کی۔ ہندوستان کے ایک مشاعرے میں جب انھوں نے یہ نظم پڑھی تو لوگوں پر اس کا گہرا اثر ہوا۔'' (صفحہ: ۳۰)

اسی طرح موصوف ایک جگہ فراز کے تنقیدی شعور کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''احمد فراز کے اندر تنقیدی شعور کا رچاؤ بہت گاڑھا تھا، انھوں نے شعری تنقید کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کئی انٹرویوز میں کیا ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ غزل کہنے کے لیے کسی خاص واقعے یا موضوع کی ضرورت درپیش نہیں ہوتی جب کہ نظم کہنے کے لیے ایک خاص موقع اور موضوع ہونا چاہیے۔ ان کی نظر میں غزل کے مقابلے نظم کہنا ایک مشکل امر ہے۔ ان کا یہ بھی ماننا تھا کہ ہندوستان کے مقابلے پاکستان میں بہت کم نقاد ایسے ہیں جنھیں شعری تنقید کی گہری سمجھ ہے۔ حالانکہ انھوں نے اپنے لیے کسی خاص ہیئت کو مقرر نہیں کیا۔ انھوں نے غزلیں، نظمیں، رباعی، قصیدہ وغیرہ شعری اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کی نظر میں شاعری کی ہیئت یا فارم کی اہمیت زیادہ تھی۔ اپنے مختلف انٹرویوز میں انھوں نے شاعری کے بارے میں اپنے تنقیدی نظریات کا اظہار کیا ہے۔'' (صفحہ: ۲۴)

اسی طرح ان کے انٹرویوز اور اس کتاب سے ایک اور اہم بات سامنے آئی ہے جو شاید اکثر لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ مرتب کے پیش لفظ کا ایک اقتباس دیکھیے:

''احمد فراز نے اپنے انٹرویوز میں اس بات کو قبول کیا کہ ابتدا میں وہ اُردو لکھ سکتے تھے بول نہیں سکتے تھے۔ ریڈیو کراچی میں کام کرتے وقت وہ صرف ہوں ہاں سے کام چلاتے تھے۔ چراغ حسن حسرت اور ارم لکھنوی کے کہنے پر انھوں نے باقاعدہ اُردو لکھنا سیکھا۔ ریڈیو کراچی میں ملازمت کے دوران ہی انھوں نے اُردو میں اسکرپٹ لکھنا شروع کیا۔ البتہ فراز کو تاعمر اس بات کا قلق رہا کہ انھوں نے اپنی مادری زبان پشتو میں کوئی شعر نہیں کہا۔ حالانکہ انھوں نے اپنے کئی انٹرویوز میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ پاکستان میں اُردو سے سنسکرت اور ہندی کے نرم اور شیریں الفاظ کو ہٹانے کا کام کیا گیا اور یہی کام ہندوستان میں ہوا۔ ان کی نظر میں دونوں ملکوں میں اُردو سیاست کا شکار ہوئی۔'' (صفحہ: ۱۲)

معروف صحافی معصوم مرادآبادی نے شخصیات سے متأثر ہونے کے بارے میں جب فرازؔ صاحب سے پوچھا تو انھوں نے کہا:

''اول تو میرے والد بہ ذات خود شاعر تھے۔ وہ فارسی اور اُردو کے اچھے شاعر تھے۔ ان کی ایک انجمن بھی تھی 'بزم سخن' گو کہ اس وقت مجھے شاعری سے کوئی شوق اور تعلق پیدا نہیں ہوا تھا لیکن لوگ آتے جاتے تھے تو ہم کبھی کبھی وہاں شریک ہوجایا کرتے تھے۔ لیکن جب کالج سے فارغ ہوکر کراچی ریڈیو اسٹیشن گیا تو وہاں بہت سی ادبی محفلیں ہوتی تھیں۔ بخاری صاحب علم دوست آدمی تھے اور خود بھی بڑے اچھے شاعر تھے۔ ان کے علاوہ اردگرد کے لوگ جو ان سے ملنے آتے تھے۔ گویا ریڈیو اسٹیشن میں خود ایسے لوگوں کا مجمع رہتا تھا جو ادبی دنیا میں خاص مقام رکھتے تھے، جن سے ہم نے بہت کچھ سیکھا، پھر

کتابیں پڑھنی شروع کیں تو کلاسیکل لٹریچر تو سارا اپنے شوق سے پڑھا اور پھر کالج میں بھی پڑھا۔ اسی طرح ہمارے زمانے کے اچھے ادیبوں اور شاعروں نے بھی متاثر کیا۔ مثلاً ہمارے ہاں احمد ندیم قاسمی، ن.م. راشد، فیض پھر ادھر ساحر لدھیانوی، اختر الایمان، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، مجروح سلطان پوری، جاں نثار اختر ان لوگوں کو پڑھتے تھے۔ بہر حال فیض صاحب سے آخری دنوں میں ہمارا بہت ساتھ رہا مجھے سب سے زیادہ اپنے ذہن وافکار سے جس شخص نے متاثر کیا وہ فیض صاحب ہی تھے۔'' (صفحہ:۸۹)

اسی طرح مشکور علی کے ایک سوال کہ ''کیا شعر کو نظریے کا پابند ہونا چاہیے؟'' کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

''پابندی تو کسی چیز کی ضروری نہیں ہوتی۔ اگر یہ شعر میں آجاتی ہے اور آپ موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہیں تو وہ خود بہ خود آپ کو کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ کوئی فارمولا شاعری نہیں ہوتی کہ آج مجھے یہ نظم لکھنی ہے، کل اس موضوع پر کہنا ہے۔ دل جس چیز سے inspire ہوتا ہے، بے قراری ہوتی ہے، شعر خود اپنے آپ کو کہلواتا ہے۔'' (صفحہ:۱۱۹)

اسی طرح ایک شعر ہے:

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فرازؔ
کچا ترا مکان ہے کچھ تو خیال کر

اس شعر کے تعلق سے بات یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس شعر کو احمد فرازؔ سے منسوب کرتی ہے جبکہ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ شعر احمد فرازؔ کا ہے ہی نہیں۔ مشکور علی کے ایک سوال پر فرازؔ صاحب نے خود اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے:

''یہ شعر میرا نہیں ہے اور نہ ہی میں جانتا ہوں کہ یہ صاحب کون ہیں۔ غالب کے دور میں ایک اسد نامی شاعر بھی تھے، جن کا ایک مصرع تھا 'میرے شیر شاباش رحمت خدا کی' جس پر غالب نے کہا اگر یہ شعر میرا ہے تو مجھ پر لعنت خدا کی۔ اگر کسی اور صاحب کا ہے تو ان پر رحمت ہی سہی۔'' (صفحہ ۱۱۷)

زیر نظر کتاب (احمد فرازؔ کے انٹرویوز) میں کل ۲۱/ انٹرویوز شامل ہیں جن میں ریڈیو پاکستان، P.T V، نوائے جنگ لندن اور ''بی بی سی لندن، کے علاوہ انٹرویو لینے والوں میں شارب ردولوی، اطہر فاروقی، گلزار جاوید، معصوم مرادآبادی، ڈاکٹر سجاد رضوی، پروفیسر عرفان بیگ، راجندر اُپادھیائے، مشکور علی، رخشندہ جلیل، سلیم صدیقی، فیضان عارف، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ، صائمہ عمران، سلیم صافی، عبید صدیقی اور نعیم بخاری شامل ہیں۔ کتاب کے آغاز میں مرتب ابراہیم افسر کا ۲۶/ صفحات پر مشتمل پیش لفظ شامل ہے جس میں فرازؔ صاحب کے حالات زندگی کے ساتھ ان کی شاعری پر تجزیاتی گفتگو کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں موصوف نے اپنی تحریر میں احمد فراز کی دو مشہور احتجاجی نظم ''محاصرہ'' اور ''پیشہ ور قاتلو!'' کے علاوہ معروف غزل ''سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں'' اور ''رنجش ہی سہی'' کو شامل کر کے چار چاند لگا دیا ہے۔ کتاب ۲۴۰/ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۳۵۰/ روپیے ہے، اشاعت ۲۰۲۳ء کی ہے۔

☆☆☆

سرسید اور تعلیم

انصار احمد معروفی

وہ سرسید کہ جس نے علم کی نشر واشاعت کی
وہ سرسید کہ جس نے قوم کی بے لوث خدمت کی

وہ سرسید کہ جس نے دور کی ظلمت جہالت کی
وہ سرسید کہ جس نے ملک کی قومی قیادت کی

انہی کے ہم مشن کو آج ہر سو عام کرتے ہیں
جو خوشبو علم کی لائے وہ خوشبو عام کرتے ہیں

وہ سرسید کہ جس نے علم کی قندیل روشن کی
فضا جس نے بدل دی آ کے سب ویران گلشن کی
ہوا دی جس نے اک بجھتے ہوئے شعلے کو دامن کی
وہ جس نے گرد کر دی صاف علم وفن کے درپن کی

جو جادو بولے سر چڑھ کر وہ جادو عام کرتے ہیں
جو خوشبو علم کی لائے وہ خوشبو عام کرتے ہیں

شمع تعلیم کی روشن جو کی اب تک فروزاں ہے
ہوا گھر گھر منور علم سے وہ نور تاباں ہے
مہکتی ہے فضائے علم وعرفاں گل بداماں ہے
گلی کوچہ خیاباں ہے بنا گھر گھر دبستاں ہے

سنورتی جس سے عادت ہے، وہ خو بو عام کرتے ہیں
جو خوشبو علم کی لائے وہ خوشبو عام کرتے ہیں

ہمارے ہاتھ میں قرآن ہو جس نے یہ بتلایا
مگر سائنس بھی اک ہاتھ میں ہو یہ بھی سکھلایا
مسلمانوں کی پیشانی پہ کلمہ جس نے چمکایا
علم تعلیم کا لے کر وہ سب کے سامنے آیا

جو پیغامِ عمل لے آئے، ہر سو عام کرتے ہیں
جو خوشبو علم کی لائے وہ خوشبو عام کرتے ہیں

تدریس بخاری شریف کی توفیق۔تحدیث نعمت

انصار احمد

شوال 1444ھ۔جون 2023 میں جب تعطیل کلاں کے بعد مدرسہ چشمہ فیض کھلا، حالاں کہ ابھی تعلیمی سلسلے کا آغاز نہیں ہوا تھا، اور اتر پردیش میں چیئرمن عہدہ کے لیے گہما گہمی اور اس الیکشن میں ڈیوٹی لگنے وغیرہ کا عمل شروع ہوگیا تھا، تو کسی کے ذریعے یہ خبر اپنے بارے میں سنی کہ چند تجربہ کار معلمات کے استعفیٰ کی وجہ سے اب مدرسہ چشمہ فیض کے نسواں میں بھی کچھ گھنٹیاں پڑھانی ہوگی، کیوں کہ فی الحال نئی معلمات کی تقرری میں کچھ مسائل درپیش ہیں۔خبر کے ساتھ ہی کتابوں کی تعیین بھی کردی گئی تھی، اگرچہ باضابطہ طور پر مجھے ان کتابوں کی تدریس کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا تھا، نہ ہی اس تعلق سے کوئی بات ہوئی تھی، مگر وہ کتابیں ابھی کسی کے یہاں شروع نہیں کی گئی تھیں۔

چونکہ ہمارے یہاں انتظامیہ پوری کی پوری تبدیل ہوگئی تھی، اس لیے سابقہ مسائل معلق رہ گئے تھے۔اس دوران میرے اپنے بھی کچھ موانع تھے، جیسے سفر حج وعمرہ کے لیے نکلنے کی تیاریاں، جامعہ مصباح العلوم کوپاگنج میں جاکر مدرسہ تعلیمی بورڈ یوپی کے امتحانات کی کاپیاں جانچنا وغیرہ ایسے مسائل تھے جن کی موجودگی میں مدرسہ میں تعلیمی نظام بہت تاخیر سے شروع ہوا۔دریں اثنا 11 جون کی تاریخ سفر بھی آگئی اور اللہ کے فضل وکرم سے حج وعمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

حج سے واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے انتظار میں ابھی وہ کتاب شروع نہیں ہوئی ہے۔اب باقاعدہ طور پر میری تین گھنٹی نسواں میں بادل ناخواستہ کردی گئیں، معلوم ہوا کہ دو اور استاذ پہلے سے یہ خدمت نئے تعلیمی سال میں انجام دے رہے ہیں۔

میرے ذمے بخاری شریف کی دونوں جلدیں کردی گئیں تھیں، جنہیں ابھی شروع کرانا باقی تھا، اس سے قبل ان دونوں اہم کتابوں سے تدریس کے اعتبار سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا، چالیس سال کا طویل زمانہ اس کو پڑھے ہوئے گزر گیا تھا، انکار کی یہاں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی مدد سے تدریس کی ابتدا کردی گئی، اور اپنی تیاری کے طور پر مختلف شروحات اور دیگر کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا۔راقم الحروف کے پاس پہلے سے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی معروفی رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی مفصل شرح "امدادالباری" کی پانچ جلدیں موجود تھیں، ان کا مطالعہ شروع کیا۔یاد آیا کہ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں خریدی ہوئی ترجمۃ الابواب سے متعلق دو کتابیں بھی الماری میں پڑی ہوئی ہیں۔ایک تو حضرت شیخ الہند کی اور دوسری حضرت علامہ فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی۔پھر بخاری شریف کے درس میں میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی تقریریں لکھنے کا اہتمام کرتا تھا، جس کی کئی کاپیاں محفوظ تھیں اور دیوبند سے منسوب ہونے کی وجہ سے میں اسے بہت دفعہ دیکھ کر اوراق کی ورق گردانی کرچکا تھا، اس لیے وہ "داشتہ بکار آید" کے طور پر اسے کھنگالا۔گاؤں کے دیگر شیوخ الحدیث سے رابطہ کرکے ہدایتیں اور مشورے طلب کیے، سب نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب پاکستان کی شرح "کشف الباری" دیکھنے کی صلاح دی، اسے میں نے موبائل پر لوڈ کرلیا۔اس طرح امدادالباری، کشف الباری اور محشی مولانا احمد علی سہارن پوری کے حاشیہ کی مدد سے بفضل اللہ تعالیٰ تدریسی کام روز افزوں ہے۔15 محرم الحرام 1445ھ سے کام کی ابتدا ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مدد اور فضل سے اسے تکمیل کے مرحلے تک پہنچائے۔آمین ثم آمین۔انصار احمد معروفی۔

نعت شریف

انصار احمد معروفی

دل دیکھ وفا دیکھ کرم دیکھ حیا دیکھ
آ دیکھ عقیدت سے تو آقا کی ادا دیکھ

صورت ہے حسیں ان کی تو سیرت ہے حسیں تر
گھر والوں نے جو دی ہے گواہی اسے آ دیکھ
آ جائے گی تجھ کو بھی نظر مہرِ نبوت
سلمان کے مانند ہٹا ان کی ردا دیکھ
آقا کی بدولت ہی فلک آیا زمیں پر
ہے نور پہ اک نور ذرا غار حرا دیکھ
آقا کے دہن کا ہے لعاب اتنا مبارک
جس زخم پہ لگ جائے وہ بن جائے دوا دیکھ
کس کس نے نہیں دیکھی ہے برکات نبی کی؟
کافی نہ ہوئی کس کو وہ تھوڑی سی غذا دیکھ
مٹی کو ملی آقا کے جب لمس کی خوشبو
کہنے لگی آ دیکھ لے جنت کا مزا دیکھ
انفاس میں دم اتنا کہ ہر زخم ہو کافور
اکرام کے انداز کی اعزازی ادا دیکھ
کیا کیا نہ مدینہ کو نبوت سے ملا ہے
مٹی ہے فقط نام کی، ہے خاک شفا دیکھ
ہو جائے گا احمدؔ ترا دل جا کے منور
''چل مسجد نبوی کی وہ نورانی فضا دیکھ''

مہاتما گاندھی اور قومی اتحاد

انصار احمد معروفی

ہندوستان کی تاریخ میں موہن داس کرم چند گاندھی کا نام ان کی قربانیوں اور امن واتحاد کے لیے کی جانے والی کوششوں کی وجہ سے سنہرے حروف میں لکھا جاتا ہے، انہوں نے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے جو پرامن جدوجہد کی اور سبھی ہندوستانیوں کو باہم متحد کرنے کے لیے جتنی کوششیں کی، ان کی اہمیت موجودہ دور میں بڑھ جاتی ہے۔ انہوں نے بھارتی باشندوں کو متحد کرنے کے لیے انتھک محنت کی، ان کا کہنا تھا کہ باہمی محبتوں اور اتحاد سے بڑی سے بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور بڑے فتنوں کا کودبایا جاسکتا ہے۔ اسی لیے عملی طور پر وہ ہر ایک سے ملتے جلتے تھے، تمام مذہب کے لوگوں سے ملاقات کرتے اور تعلقات کو مضبوط کرنے کی سمت میں قدم بڑھاتے رہتے تھے۔ وہ پوری قوم کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ تصور کرتے تھے۔

مرضیہ عارف نے لکھا ہے:

ان کی تقریروں کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ انہوں نے ذات، مذہب، علاقائیت، رنگ ونسل اور زبان کی بنیاد پر مختلف طبقوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی، قومی ایکتا کا یہی نظریہ اُن کی فکر کا بنیادی پتھر ہے، جس پر وہ ایک خوشحال قوم کی تعمیر کرنا چاہتے تھے، گاندھی جی کا یہ نظریہ اُس قومی روایت پر مبنی معلوم ہوتا ہے، جس کے مطابق پوری کائنات کو اللہ کا کنبہ قرار دیا گیا ہے۔ ''الخلقُ عیال اللہ'' کی یہی روایت ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی مختلف الفاظ کے ساتھ ملتی ہے۔ یہ گاندھی جی کی آفاقی فکر تھی جس نے اُنہیں رنگ ونسل، ذات برادری اور علاقائیت کے امتیازات سے اوپر اُٹھ کر سوچنے کی تحریک دی، انسان دوستی کے اِسی فلسفے نے اُن کے خیالات کو جِلا بخشی جس پر وہ آخری دم تک کاربند رہے۔

مہاتما گاندھی کو اِس کا احساس تھا کہ ہندوستان کو اُس وقت تک آزادی نہیں مل سکتی جب تک کہ یہاں رہنے اور بسنے والے دو بڑے فرقے باہم مل جل کر رہنا نہیں سیکھ لیں۔ اگر آزادی مل بھی گئی تو حقیقت میں وہ آزادی نہیں ہوگی، جس کے ہم سب متمنی ہیں۔ گاندھی جی ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے، اُن کا خیال تھا کہ اگر ہندو اور مسلمان امن و بھائی چارہ کے ساتھ زندگی گزارنا نہیں سیکھ لیتے تو اِس ملک کا جسے ہم بھارت کے نام سے جانتے ہیں وجود ختم ہوجائے گا۔ گاندھی جی نے مختلف مذاہب کی کتابوں اور دنیا کے قابل ذکر دانشوروں کے افکار ونظریات کا مطالعہ کیا تھا، اُن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ہر صبح گیتا کے ساتھ قرآن مجید اور انجیل مقدس کا مطالعہ کرتے تھے، اُن کی کتاب ''مائی ایکسپریمنٹ وِتھ ٹُروتھ'' میں یہ اعتراف موجود ہے کہ جنوبی افریقہ کے قیام کے دوران کئی مسلمانوں سے اُن کے گہرے مراسم تھے، جو اسلامی تعلیمات سمجھنے میں اُن کے لئے مفید ثابت ہوئے۔

اُن سے جب معلوم کیا گیا کہ رام راجیہ کے جس تصور کی وہ بات کرتے ہیں، وہ کس قسم کی حکومت کے طرز پر ہوگا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ''وہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی حکومت کے طرز پر ہوگا''۔ انگلینڈ کے دورانِ قیام اُنہوں نے عیسائیت اور وکالت کے دوران پارسی لوگوں کے میل جول سے اُن کے مذہب کی روح تک پہنچنے کی سعی کی، وہ تمام مذاہب کو احترام کی گہری نظر سے دیکھتے تھے لیکن اپنے آبائی مذہب یعنی ہندو فلاسفی سے اُن کا گہرا تعلق تھا، اِسی طرح گاندھی جی نے پورے ہندوستانی سماج کو غائر نظر سے دیکھا اور سمجھا یہاں تک کہ وہ اِس ملک کی سماجی زندگی کے ''نبض آشنا'' بن گئے۔

وہ مذہبی آدمی تھے مگر سارے مذاہب کا احترام کرتے تھے، نفرت اور تعصب کو وہ اپنے دل میں پنپنے نہیں دیتے تھے نہ ہی یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان میں یہ چیز پھیلے، باہمی اتحاد سے ملک کی ترقی اور خوشحالی کا خواب سجائے وہ مسلسل محنت پر یقین رکھتے تھے اور اسی خیر کو وہ سب لوگوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

پورہ معروف میں 9 ضلع کا جوڑ

21 ستمبر 2023 مطابق 6 ربیع الاول 1445 ھ بروز جمعرات پورہ معروف محلہ بانسہ کی عیدگاہ (پوکھرے سے متصل) ایک تبلیغی اجتماع 9 ضلع کے جوڑ کے عنوان سے منعقد ہوا، ظہر کی نماز کے بعد شروع ہونے والا یہ اجتماع دوسرے دن 8 بجے صبح کو اختتام کو پہنچا۔

2016 کے بعد تبلیغی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک گروپ مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی کے نام سے جب کہ دوسرا گروپ شوری کے نام سے معروف ہے، جب کہ بعض لوگ اسے دہلی اور گجرات کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ شوری جماعت میں گجرات کے اکابرین علماء؛ مولانا محمد موسیٰ صاحب، مولانا احمد لاٹ صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب، مولانا محمد اسماعیل گودھرا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، جب کہ مولانا محمد سعد گروپ میں مولانا محمد شریف صاحب، مولانا محمد مستقیم صاحب اور مولانا جمشید صاحب وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

یہ دونوں جماعت روز بروز متحد ہونے کے بجائے ایک دوسرے سے دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ جہاں جہاں یہ تبلیغی جماعت موجود تھی وہاں وہاں تقسیم کا یہ فتنہ پہنچا اور جو پہلے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کررہے تھے اور باہم متحد اور ایک رائے تھے، ان میں ذہنی اختلاف نمودار ہوگیا اور ایک دوسرے سے دوری اور بدگمانی پیدا ہونی شروع ہوگئی۔

آخر یہ لڑائی کس چیز کو لے کر ہے؟ کیا بڑے بڑے اجتماعات میں دعا کرانے کے لیے؟ یا پوری دنیا کا امیر بننے کے لیے؟ حب مال کے واسطے؟ یا حب جاہ کی خاطر؟ کیا شورائی نظام دونوں جماعتوں میں اپنایا نہیں جاتا؟ یا فیصلے کرنے میں کسی ایک کی حکومت چلتی ہے؟ کسی کی خودسری سے جماعت کے احباب نالاں ہیں؟ یا کسی کی ہٹ دھرمی سے؟ کسی ایک کے بیان میں صرف نقص اور بے سمتی ہے یا دوسری جانب کے گروپ کے علما بھی قرآن کریم اور احادیث کی من مانی تشریح کرتے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات ہیں جو ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

یہ اعتراض تو اس جماعت پر زمانے سے ہورہا تھا کہ یہ لوگ بہت سی آیتوں کے مفہوم کے بیان کرنے میں کجی کے شکار ہیں، یا احادیث کو غلط مقام پر فٹ کرتے رہتے ہیں، کیا دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ وطلبہ دونوں جماعت میں منقسم نہیں ہیں؟ اگر کسی ایک فرد کے بیان کی گہرائی سے جانچ کر کے اس کی غلطیاں واضح کی جارہی ہیں (اور یہ کوئی غلط کام نہیں) تو دوسرے گروپ کے بیانات کی جانچ کی جائے تو کیا ان کی ساری کی ساری باتیں صحیح نکلیں گی؟ غلطیوں کے وجود اور ثبوت کے امکانات دونوں جماعتوں کے بیانات میں ہیں اور ماضی میں ان پر جماعت کے احباب کو متوجہ کیا جاتا رہا ہے، البتہ غلطیوں کی وضاحت کے بعد اس کو تسلیم نہ کرنا اور طرز کہن پہ اڑے رہنے کو درست نہیں کہا جاسکتا۔

مگر اسی کو بنیاد بنا کر ایک جماعت کو دو حصوں میں بانٹ دینا یہ بھی غلط ہے، دونوں جماعت کے کچھ افراد میں حب جاہ کا غلبہ ہے، جس سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، یہ میرا مشاہدہ ہے، جب جماعت ابھی دو دھڑوں میں تقسیم نہیں ہوئی تھی، یہ سن ۲۰۱۶ کی بات ہوگی، مرکز نظام الدین میں یوپی کا مشورہ تھا، اس میں مئو سے دس بارہ افراد کے ساتھ میری بھی شرکت ہوئی تھی، آخری دن جب دعا کرنا کا وقت ہوا، اس وقت حب جاہ کا خوب خوب مشاہدہ ہوا، اس سے ایک دن قبل ایک روز ظہر کی نماز سے پہلے؛ جس وقت کہ سب لوگ آرام کررہے تھے، اچانک چند احباب سب کی قیام گاہ پر یہ اعلان کرنے لگے کہ ابھی ابھی حضرت مولانا فلاں صاحب سب کو بیعت کریں گے، اس میں شرکت فرمالیں، اس سے قبل بھی میں کئی بار مرکز میں جاچکا ہوں، مگر کبھی دوسرے حضرات کے دور میں اعلان کر کے اس طرح بیعت نہیں لی جاتی تھی، میں تو اپنے شیخ سے بیعت تھا، مگر پیر صاحب کے کمرے کی طرف گیا تاکہ بیعت میں شرکت کرنے والوں کا مشاہدہ کیا جائے، وہاں زبردست بھیڑ تھی، اور لوگ رسی اور رومال پکڑ کر شیخ صاحب سے بیعت ہورہے تھے۔ اس کے بعد جب حیات الصحابہ پڑھی گئی، اس میں میں نے غور کیا تو پایا کہ کئی دن سے مشورے سے متعلق ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اقوال کی روشنی میں باتیں سامنے آرہی تھیں

،آخری پروگرام کے بعد جب دعا کا وقت ہوا تو ایک اور صاحب جو پیر صاحب کے بازو میں پہلے سے ہی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، دعا کے وقت کہنے لگے کہ ہم دعا کرائیں گے، اس پر بات بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک آ پہنچی کہ آستینیں سرکالی گئیں، وہاں جماعت غیر منقسمہ کے سارے ذمہ داران موجود تھے، لگ رہا تھا کہ ذہنی اعتبار سے لوگ پہلے سے ہی دو حصوں میں منقسم ہو چکے ہیں، اس لیے دونوں قسم کے حضرات نے اپنے اپنے شیخ کی حمایت میں بولنا اور لڑنا شروع کر دیا، اس وقت تحریش شیطان کا نقشہ ذہن میں آ رہا تھا کہ وہ کیسے حب جاہ کے لیے دونوں قسم کے کچھ افراد کو باہم لڑا رہا ہے، اور لوگ لڑ رہے ہیں، اس وقت بظاہر یہ اختلاف صرف دعا کرانے کے لیے تھا۔ مگر اندر اندر جماعت کی امارت کا حصول تھا، اسی وقت جماعت کے دو حصوں میں تقسیم کی بنیاد پڑ گئی تھی، آخر میں پیر صاحب نے وہاں سے ہٹ جانے میں عافیت سمجھی اور کہا کہ نیچے چلیں وہاں دعا ہوگی۔ اب معلوم نہیں کہ اوپر بھی دعا ہوئی تھی یا نہیں؟ لیکن نیچے جا کر ہم لوگ دعا میں شریک ہو گئے، ممکن ہے کہ اوپر بھی دوسرے لوگوں کی الگ دعا ہوئی ہو۔

یہ آخر حب جاہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد سے ہی اس اختلاف کی آگ کو مزید ہوا دی جانے لگی اور دن بدن اختلاف کی خلیج بڑھتی چلی گئی، حتیٰ کہ اب باقاعدہ ہر جگہ دو دو مرکز ہو گئے، ہر جگہ کے احباب جو پہلے ایک تھے، وہ دو دھڑوں میں کھلم کھلا تقسیم ہو گئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ شورائی نظام دونوں جماعت کا طرۂ امتیاز ہے، اس صفت سے دونوں جماعت متصف ہے، بغیر اس کے کوئی کام انجام نہیں دیا جاتا ،اگر ایک مدرسہ دوسرے مدرسے سے الگ ہو کر اپنے نام میں ''وقف'' کا لاحقہ لگا لے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرا مدرسہ؛ جس سے وہ اختلاف کے باعث الگ ہوا ہے، وہ غیر موقوف اور موروثی ہے، مرکز نظام الدین میں میری حاضری کئی بار مشورے میں شرکت کے لیے ہوئی ہے، اس کے علاوہ لکھنؤ کے مشورے میں بھی جانا ہوا ہے، ہر جگہ میں نے دیکھا کہ سارے امور مشورے سے طے کیے جاتے ہیں اور کوئی کام بغیر مشورے کے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔

بہر حال یہ اس دور کا زبردست فتنہ ہے جسے سب سے اہم اور مخلص جماعت میں حب جاہ کے راستے سے شیطان نے داخل کر دیا ہے۔ جس طرح جماعت دو حصوں میں منقسم ہو گئی اسی طرح بہت سے عوام و خواص بھی دو دھڑوں میں بٹ گئے، البتہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند مولانا محمد سعد کاندھلوی کی بعض تقریریں؛ جو منہج سلف صالحین سے ہٹ کر تھیں، اس کا رد کرتے رہے اور وہ تفسیر یا توضیح جواب تک جمہور علماء نے کی ہے، اس کو درست بتایا اور ساتھ ہی ساتھ مولانا سعد صاحب کی غلطیوں کی نشاندھی کی، دار العلوم دیوبند میں احتیاط کے پیشِ نظر اور کسی بھی متوقع اختلاف سے بچنے کے لیے دونوں جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ بھی دو جگہ منقسم ہو چکے ہیں۔

یہ اعظم گڑھ حلقے میں شامل نو ضلع کا جوڑ تھا جس میں اعظم گڑھ، بنارس، جونپور وغیرہ اضلاع شامل ہیں۔ قاعدے کے اعتبار سے 9 ضلع کا جوڑ کسی مسجد میں ہونا چاہیے، اور اب تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے، جس میں ہر ضلع میں مسجد وار جماعت کے منتخب افراد شامل ہوتے ہیں، اس جوڑ میں گزشتہ چار ماہ کی کارگزاریاں سنائی جاتی ہیں اور آئندہ چار ماہ میں مزید کام کرنے اور نئے عزائم کا اظہار کیا جاتا ہے۔

مگر پورہ معروف کے شوریٰ کے اراکین نے تعارف کے لیے اسے مزید وسعت دے کر باہر بڑے پیمانے پر پروگرام رکھنے کا فیصلہ کر لیا، یوپی میں پولیس انتظامیہ سے تحریری طور پر باہر اتنے بڑے پیمانے پر اجتماع منعقد کرنے کے لیے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، اس سلسلے میں مقامی طور پر بہت زیادہ کوشش کے بعد کسی عیدگاہ میں پروگرام منعقد کرنے کی اجازت ملی، اس کے لیے سب سے مناسب جگہ محلہ بانسہ کی نئی عیدگاہ تھی، جو 2007 میں بنائی گئی تھی، کیوں کہ اس کے مشرقی حصے میں کافی کشادہ جگہ موجود ہے، جہاں سامعین کو عزت سے بٹھایا جا سکتا تھا، اس لیے وہ جگہ اجتماع کے لیے ذمہ داران کی جانب سے منتخب ہو گئی۔

کسی بھی بڑے پروگرام کے انعقاد کے لیے بہت پہلے سے تیاری کی جاتی ہے، بالخصوص تبلیغی اجتماع کے لیے؛ جہاں عام جلسوں کے برخلاف سامعین کے نماز ادا کرنے کے لیے باقاعدہ "مصلی" بنانا ضروری ہوتا ہے، اسی کے ساتھ وضو اور قضائے حاجت کا مکمل انتظام بھی کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بیرونی مہمانوں کے قیام اور طعام کا بھی نظم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جس پر قابو پانے کے لیے جگہ، مال اور افرادی قوت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ساتھ

ہی ساتھ اجتماع سے جماعتوں کی تیاری اوران کی تشکیل وتفقد کے لیے بڑی محنت اور مغزماری کی جاتی ہے تب جا کر کوئی اجتماع کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوتا ہے۔

اگرچہ پورہ معروف میں شوری اور غیر شوری دونوں قسم کے افراد موجود ہیں، مگر چند مخصوصین کو چھوڑ کر عموماً سبھی حضرات نے اجتماع کی کامیابی کے لیے دامے درمے، قدمے، سخنے حصہ لے کر خود کو سرخرو کیا، اختلاف کا کوئی اثر اجتماع پر نظر نہیں آیا، جو اچھی بات ہے، 9 ضلع کا یہ جوڑ تھا، اس لیے تمام اضلاع سے جماعتوں نے شرکت کی، اسے عمومی اجتماع کی حیثیت دیدی گئی تھی اس لیے اس میں پورے ضلع مئو سے کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، یہاں تک کہ کارکنان کے اندازے سے زیادہ لوگ شرکت کے لیے آتے گئے اور مجمع بڑھتا گیا۔

مہمانوں کے استقبال کے لئے پورہ معروف کے داخلی تمام راستوں پر کیمپ لگا کر یہاں کی عوام نے خوشی اور اکرام کا مظاہرہ کیا، جگہ جگہ ان کے لیے کھجور، مربے، خرما، چائے ودیگر لوازمات کا انتظام کیا۔ محلہ بانسہ کے اکثر گھروں میں مقامی وبیرونی مہمانوں کے استقبال کے لیے لوگ تیاری کیے ہوئے تھے، ہم لوگ خود ہی اہل وعیال کے ساتھ بہن کے گھر مدعو تھے، اجتماع کے انعقاد پر سبھی حضرات وخواتین میں بہت خوشی دیکھی گئی، عورتیں ناشتے کے بعد سے ہی اپنے اپنے رشتے داروں کے یہاں جانے لگی تھیں، جس سے دن بھر خوب چہل پہل رہی۔

اجتماع کی تیاری میں نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، وضو خانہ بنانے، اجتماع کی جگہ کی صفائی، پانی کے انتظام، پیشاب خانہ و بیت الخلا تیار کرنے میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا اور تمام چیزوں کے سلسلے میں اپنے مفوضہ امور کی انجام دہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سائیکل اسٹینڈ کے لیے الگ سے جگہ بنائی گئی اور کھانا پکانے اور کھلانے کے واسطے جامعہ ہاجرہ کو کام میں لایا گیا، شام کے کھانے کا ایک ہزار ٹوکن تیار کیا گیا، ایک ٹوکن رعایت کے ساتھ 30 روپے میں تقسیم کیا گیا اور کھلانے کی ابتدا مغرب کی نماز کے بعد سے ہی کر دی گئی۔

پروگرام کا آغاز ظہر کی نماز کے بعد ہو گیا، عصر کی نماز سے قبل ہاجرہ مسجد میں ایک پروگرام علمائے کرام کے لیے مخصوص رکھا گیا، جس میں مقامی علمائے کرام نے حصہ لیا، مگر اس کی دعوت کی خبر سبھی علما کو نہیں دی گئی تھی، مجھے اس پروگرام کے بارے میں عشا کی نماز کے بعد خبر ہوئی، اس پروگرام میں مولانا مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی کا بیان ہوا، جو علی گڑھ سے تشریف لائے تھے۔

عصر کی نماز کے بعد ذکر اللہ سے متعلق بیان کے بعد تقریباً پچیس نکاح کرائے گئے، اور قریب بیٹھے لوگوں میں چھوہارے وغیرہ تقسیم کیے گئے، اور نکاح کی اجرت کے طور پر ان نوجوانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ اللہ کے راستے میں وقت لگائیں۔ گرمی کی شدت کے باوجود نوجوان نکاح کی خوشی میں صدری اور پگڑی کے ساتھ کلف شدہ کرتے میں ملفوف نظر آئے۔

ستمبر کے مہینے میں سخت گرمی ہوتی ہے اور بارش کا بھی خطرہ لاحق رہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے عافیت کا معاملہ کرتے ہوئے مغرب کی نماز کے بعد سے ایسی ٹھنڈی ہوا چلائی کہ باہر صحن میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بہت راحت محسوس ہوئی، البتہ جو لوگ عیدگاہ کے اندر تھے، جہاں شامیانہ لگا ہوا تھا وہاں گرمی کا احساس ستا رہا تھا البتہ وہاں گرمی کی شدت کم کرنے کے لیے بڑے بڑے کولر نصب کیے گئے تھے۔

مغرب کی نماز کے بعد تمہیدی بیان کسی صاحب کا ہوا، اس جماعت کے افراد زیادہ تر نئے ہیں اس لیے لیے ان کے نام سے واقفیت نہیں ہوئی، اور ویسے بھی جماعت کے مقررین کا نام بیان سے پہلے نہیں بتایا جاتا۔ اس کے بعد مفتی محمد اسجد قاسمی صاحب نے 9 بجے تک قرآن وحدیث کی روشنی میں اہم بیان کیا جس میں صحابہ کرام کا مقام، شوری کی حیثیت ذکر کرنے کے ساتھ خروج فی سبیل اللہ کی اہمیت سے متعلق بصیرت افروز خطاب کیا۔

آخر میں انہوں نے تشکیل کی، مگر نقد پورہ معروف کا کوئی فرد تیار نہیں ہوا، اس لیے اتنے بڑے اجتماع کے انعقاد اور زبردست تیاری کے باوجود ایک جماعت بھی اللہ کے راستے میں نہیں نکلی۔ جب کہ اجتماع کا عنوان ہی جماعتوں کا نکالنا ہوتا ہے نہ یہ کہ جلسے کی طرح مجمع اکٹھا کر کے تقریر کر دی جائے اور انہیں چھوڑ دیا جائے۔ مگر اس کے لیے ایک مہینہ قبل سے پورہ معروف میں کسی مضبوط اور محنتی جماعت کا رہنا ضروری تھا، جب وہ جماعت گھر گھر جا کر محنت کرتی ہے،

انہیں اللہ کے راستے میں نکلنے کے فوائد اور خروج کی ضرورت بتاتی ہے، پھر بار بار ان سے ملاقات کر کے ان سے وصولیابی کرتی ہے، صدقہ وخیرات کے ذریعے ان کے ارادوں کو مضبوط کرتی ہے اور ان کے لیے تہجد میں دعا کرتی ہے تب جا کر کوئی جماعت بنتی اور نکلتی ہے۔ یہی اجتماع کی اصل کامیابی ہوتی ہے اور اسی مقصد کے لیے اجتماع کی کوئی تاریخ کہیں متعین کی جاتی ہے۔

اب یہ تو جماعت کے سرگرم حضرات ہی بتا سکتے ہیں کہ اس اجتماع سے کوئی جماعت اللہ کے راستے میں کیوں نہیں نکلی؟ جب کہ اس کے پہلے کے اجتماعات میں دس دس جماعتیں اور اس سے بھی زیادہ جماعتیں راہ خدا میں جاتی تھیں۔

پروگرام کے بعد اجتماع گاہ میں ساڑھے 9 بجے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گئی اور پھر فجر کی نماز کے بعد مقامی طور پر مسجد وار جماعت کے پانچ کام اور اس کے اصول کا بیان ہوا، اس وقت کے بیان میں سب سے پہلے جماعت میں جانے والوں کے لیے خصوصی طور پر روشنی ڈالی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں نکل کر کس طرح کام کریں گے؟ اور کس بنیاد پر لوگوں کو تیار کریں گے؟ مگر چوں کہ کوئی جماعت نکلنے والی نہیں تھی اس لیے راست طور پر مقامی کام سے متعلق ہدایات دی گئیں، اگرچہ باہر کے کتنے سامعین عشا کی نماز کے بعد اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے، مگر فجر بعد بھی مجمع بہت زیادہ تھا، اور دعا میں شرکت کے لیے ہر محلہ سے آیا ہوا تھا۔ ۸ر بجے آخری دعا ہوئی، اور اس طرح یہ اجتماع عافیت اور حسن وخوبی کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔ مدیر۔

احمد مجتبیٰ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مسعود عالم قاسمی

آپ ﷺ کی پیدائش مبارک 9 یا 12 ربیع الاول عام الفیل مطابق 20 یا 22 اپریل 571ء بروز پیر مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ ﷺ کے والد محترم کا نام عبد اللہ تھا جن کا آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کی والدۂ محترمہ کا نام آمنہ تھا۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملکِ شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند احمد: 127/4)۔ ولادتِ باسعادت کے بعد آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کے پاس پوتے کی خوشخبری بھجوائی وہ خوشی خوشی تشریف لائے اور آپ ﷺ کو خانۂ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالی سے دعا کی، اس کا شکر ادا کیا اور آپ ﷺ کا نام محمد (ﷺ) تجویز کیا۔ پھر عرب دستور کے مطابق ساتویں دن عقیقہ کیا اور عام دعوت کی۔ آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی باندی ثُویبہ نے دودھ پلایا۔ عرب کی قدیم روایت کے مطابق آپ ﷺ کو ایک قریبی گاؤں کے قبیلہ (بنوسعد) میں بھیج دیا گیا، جہاں آپ ﷺ نے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا اور دیہات کی کھلی فضا میں پرورش پاتے رہے اور پروان چڑھتے رہے آپ ﷺ کا نشونما دوسرے تمام بچوں سے اچھا تھا۔ لیکن یہاں ایک ایسا معجزہ رونما ہوا جس سے گھبرا کر حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ حضرت آمنہ کے پاس بھیج دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ کچھ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ یکا یک حضرت جبرئیلؑ آئے اور آپ ﷺ کو زمین پر گرا کر آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور اس میں سے آپ ﷺ کا دل نکال کر زم زم کے پانی سے، جسے وہ ایک سونے کے برتن میں لائے تھے دھویا، پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ پانچ سال کے تھے۔ اس معجزہ کے ذریعے سے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے دل سے ہر طرح کی گندگی کو نکال کر پاک وصاف کر دیا اور ایک طرح سے آپ ﷺ کو مستقبل میں دی جانے والی نبوت کے لئے آپ ﷺ کو ابتداء ہی سے تیار کیا جانے لگا۔ ابھی آپ ﷺ 6 سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی والدۂ محترمہ بھی وفات پا گئیں۔ یتیم پیدا ہوئے تھے اور اب ماں کی طرف سے بھی یتیم ہو گئے۔ والدین کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری

اٹھائی۔ جب آپ ﷺ کی عمر 8 سال 2 مہینے کی ہوئی تو عبدالمطلب بھی دنیا سے انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد آ ﷺ کے حقیقی چچا ابوطالب آپ ﷺ کے سرپرست ہوئے۔ ابوطالب کو آپ ﷺ سے بہت پیار تھا۔ وہ ہر طرح سے آپ ﷺ کا خیال کرتے تھے، تجارتی سفر میں بھی آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور آپ ﷺ بھی ان کی ہر طرح سے خدمت کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کی عمر شریف 25 سال کی ہوئی اور گھر گھر میں آپ ﷺ کی امانت و دیانت کا چرچا ہوا اور کوئی شخص مکہ میں ایسا نہ رہا جو آپ ﷺ کو صادق و امین کے لقب سے نہ پکارتا ہو یعنی آپ ﷺ بڑے سچے، صاحب اخلاق، امانتدار اور اعلیٰ کردار کی شخصیت کے مالک ہیں۔ تو قریش کی ایک 40 سالہ مال دار بیوہ حضرت خدیجہؓ کی پیش قدمی سے آپ ﷺ کی ان سے شادی ہوگئی وہ دو بار بیوہ ہو چکی تھیں۔

شادی کے بعد آپ ﷺ حضرت خدیجہ کے گھر میں رہنے لگے اور ہجرت کرنے تک آپ ﷺ اسی گھر میں رہے۔ (قرآن انسائیکلو پیڈیا: 629)۔ نبیٔ اکرم ﷺ شروع سے ہی بڑے امین وصادق، انصاف پسند اور معاملہ فہم تھے۔ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک 35 سال کی ہوئی تو قریش نے دوبارہ تعمیرِ کعبہ کا منصوبہ بنایا۔ اور متفقہ یہ فیصلہ کیا کہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال مال ہی استعمال کیا جائے گا۔ اور حجرِ اسود کو اس کو اپنے مقام پر رکھنے کے مسئلہ پر قریش کے درمیان سخت اختلاف ہو گیا اور بات قتل وقتال تک پہنچ گئی۔ اس موقع پر آپ ﷺ کی اسی اچھی شہرت نے سب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ آپ ﷺ ہی فرمائیں۔ اس واقعے سے آپ ﷺ کی شخصیت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو تو اسی کو اس مسئلے میں فیصلے کے لئے حَکَم بناؤ؟ ہوا یہ کہ پہلے داخل ہونے والے رسول ﷺ ہی تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر لوگ پکار اٹھے کہ "یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں"۔ آپ ﷺ نے اس کا حل یہ نکالا کہ آپ ﷺ نے ایک چادر منگا کر اسے بچھا دی اپنے ہاتھوں سے حجرِ اسود کو بیچ میں رکھا اور ہر قبیلے کے نمائندوں سے کہا کہ سب لوگ چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا پھر رسول اکرم ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھوں سے لے کر اس کو اصل جگہ پر رکھ دیا (سیرت ابنِ ھشام)۔

اس طرح آپ ﷺ کی اس حکمتِ عملی سے ایک خوفناک جنگ ٹل گئی۔ اس معاملے سے جہاں آپ ﷺ کی حکمت و دانائی اور ذہانت وفطانت کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نبوت سے پہلے ہی معاشرہ میں انصاف پسند اور غیر جانبدار مشہور ہو چکے تھے۔ 40 سال کی عمر میں نبیٔ اکرم ﷺ کو ایسے خواب دکھائی دینے لگے جو جلد ہی سچ ثابت ہو جاتے تھے۔ گویا اس طرح آپ ﷺ کو بتایا جا رہا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہونے والا ہے۔ اب آپ ﷺ کو جب بھی موقع ملتا تو حرا نامی پہاڑ پر چلے جاتے اور اللہ کے ذکر واذکار میں مشغول ہو جاتے، اکثر وقت تنہا رہتے۔ جب آپ ﷺ اپنی قوم کو بتوں کی عبادت میں دیکھتے تو آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوتی، آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ شرک وکفر چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کریں، جس ذات نے ان کو اور ساری دنیا کو پیدا کیا ہے۔

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک مکمل 40 سال کی ہوئی تو پیر کے دن شبِ قدر 18 رمضان 1 نبوی مطابق 17 اگست 610ء میں حسبِ معمول آپ ﷺ ایک روز غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً ایک فرشتہ حضرت جبرئیلؑ غار کے اندر آئے، آپ ﷺ کو سلام کیا اور پھر یہ کہا اِقرأ: پڑھیئے! آپ ﷺ نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تب انہوں نے پوری طاقت سے آپ ﷺ کو دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیئے! آپ ﷺ نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ جبریلؑ نے پھر آپ ﷺ کو دبایا اور چھوڑ دیا۔ اور کہا پڑھیے! آپ ﷺ نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تیسری بار فرشتے نے کہا: اِقرأ الخ (العلق: ۱ تا ۵) پڑھو! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو! اس رب کے نام سے جو بہت عظیم ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم دیا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ یہ پہلی وحی تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ فوراً گھر لوٹ آئے۔ آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا گھر آتے ہی آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا: مجھے کمبل اڑھا دو۔ آپ کو کمبل اڑھا دیا گیا۔ جب گھبراہٹ ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے سارا واقعہ حضرت خدیجہ کو سنایا اور یہ بھی کہا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ خدیجہؓ نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں

کریگا، اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے اور رستوں کو جوڑتے ہیں۔ ناداروں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بنتے ہیں، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور مصائب ومشکلات میں لوگوں کے کام آتے ہیں؟ تو پھر اللہ تعالی آپ ﷺ کو کیسے برباد ہونے دیگا؟ پھر اس کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں، جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانیت قبول کر چکے تھے۔ اس وقت وہ کافی بوڑھے اور اندھے ہو گئے تھے۔

حضرت خدیجہ نے کہا: اے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنیے۔ ورقہ نے پوچھا آپ ﷺ نے کیا دیکھا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا اسے بتا دیا۔ ورقہ نے آپ ﷺ سے کہا: یہ تو وہی فرشتہ ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ کاش کہ میں اس وقت مضبوط جوان ہوتا، کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو یہاں مکہ سے نکال باہر کریگی۔ آپ ﷺ نے حیرت سے پوچھا: کیا میری قوم مجھے نکال باہر کرے گی؟ ورقہ بن نوفل نے کہا: ہاں۔ پھر کہا: جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا آپ ﷺ لائے ہیں تو ضرور اس سے دشمنی کی گئی ہے۔ اگر مجھے آپ کا وہ دن ملا تو میں ضرور آپ ﷺ کی بھرپور تائید کرونگا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ دنوں تک کے لئے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں بعد وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ آپ ﷺ کی وفات تک جاری وساری رہا۔ سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرات: عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، بچوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین ہیں۔ تین برس تک خفیہ اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی ۳ نبوی میں اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر علی الاعلان دعوتِ اسلام کا مشہور خطبہ دیا۔ اور بتدریج اسلام پھیلنے لگا۔ مسلمانوں پر کفار کی ناقابلِ برداشت تکلیفوں کی وجہ سے مسلمان آپ ﷺ کے حکم سے رجب ۵ نبوی میں پہلی بار گیارہ مرد اور پانچ عورتوں نے ملکِ حبشہ ہجرت کی۔ 6 نبوی میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اسلام لائے تو ان حضرات سے اسلام کو بہت قوت ملی۔ 7 نبوی میں آپ ﷺ کی اجازت سے دوبارہ 86 مرد اور 17 عورتوں نے حبشہ کی ہجرت کی۔ ان کے امیر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔ جن کے ہاتھ پر نجاشیؓ شاہِ حبشہ نے اسلام قبول کیا۔

ہفتہ یکم محرم 7 نبوی مطابق 915ء سے 9 نبوی مطابق 918ء تک تین سال تک قریش نے حضور ﷺ کو مع خاندان، شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا اور کھانے پینے کی ساری چیزیں روک دی تا کہ آپ ﷺ کو مجبوراً بنی ھاشم کے لوگ، مکہ والوں کے حوالے کر دیں۔ اس مضمون کی ایک تحریر کعبہ کے اندر لٹکا دی گئی۔ 10 نبوی میں اس ظالمانہ محصوری کا خاتمہ ہوا۔ شعبِ ابی طالب سے رہائی کے بعد آٹھویں مہینہ رمضان یا شوال 10 نبوی میں حضرت ابوطالب کی 80 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا اور اس کے 3 یا 5 روز کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہوگئی۔ یہ دونوں آپ ﷺ کے لئے بہت بڑے ظاہری سہارا اور پشت پناہ تھے۔ ان کی وفات سے آپ ﷺ کو اتنا غم ہوا کہ اس سال کا نام ہی عام الحزن پڑ گیا۔ اب قریش کی ایذا رسانیاں اور شدید ہو گئیں تو آپ ﷺ نے 27 شوال 10 نبوی کو طائف کا تبلیغی سفر کیا تا کہ وہاں اسلام کے کچھ حامی پیدا ہو جائیں۔ وہاں کے تین سرداروں کو اسلام کی دعوت دی مگر ان ظالموں نے اوباشوں کے ذریعے آپ ﷺ کو پتھر برسا کر لہولہان کر دیا، وہاں سے واپسی میں مقامِ نخلہ میں چند روز آپ ﷺ نے چند روز قیام کیا، وہیں نصیبین کے سات جن آپ ﷺ کے قرآن کو سن کر ایمان لائے۔ معراج کب ہوئی؟ اس میں دس اقوال ہیں۔

راجح یہ ہے کہ 27 رجب 10 نبوی 22 مارچ 620ء پیر کو معراج ہوئی، شبِ معراج ہی میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ قریش کی مخالفت سے تنگ آ کر حضور ﷺ نے دوسرے قبائل اور موسمِ حج میں باہر سے آنے والوں میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، ذوالحجہ 11 نبوی/ 620ء میں مدینہ سے آنے والوں میں قبیلۂ خزرج کے 6 آدمی ایمان لائے جو مدینہ میں اسلام کے پھیلنے کا سبب بنے۔ دوسرے سال ذوالحجہ 12 نبوی میں منی میں عقبہ کے قریب مدینہ کے 12 آدمیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعتِ عقبہ اولی کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرے سال یعنی ذوالحجہ 13 نبوی میں اسی گھاٹی میں بیعتِ عقبہ ثانیہ ہوئی جس میں 73 مرد اور 2 عورتیں شامل تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کا حکم دیا اور پوشیدہ طور پر

ہجرتِ مدینہ شروع ہوگئی۔ مکہ سے مسلمانوں کے نکل جانے سے قریش سخت غصہ ہوئے اور دارالندوہ میں جمع ہوکر آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے تین ماہ بعد آپ ﷺ بھی اللہ کے حکم سے ہجرت کے ارادہ سے 53 برس کی عمر میں شبِ جمعہ 27 صفر 1ھ/ 622ء میں ابوبکرؓ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں تین دن روپوش رہے، پیر کو غار سے نکل کر عبداللہ بن اریقط لیثی کی رہبری میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس قافلے میں حضور ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط تھے۔ جمعہ 12 ربیع الاول 1ھ مطابق 27 ستمبر 622ء کو قُبا میں داخل ہوئے۔ وہاں 14 روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے۔

جمعہ 26 ربیع الاول مطابق 11 اکتوبر کو مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں محلہ بنی سالم میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ اسی روز شام کو مدینہ میں داخل ہوئے۔ 1ھ میں آنحضور ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کی پھر 7ھ فتحِ خیبر کے بعد دوبارہ توسیع کرکے 100 گز سے زیادہ طویل وعریض بنادی۔ ہجرت کے 5 ماہ بعد آپ ﷺ نے یہودِ مدینہ سے معاہدہ کیا کہ یہود و مسلمان آپس میں کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ اور باہری دشمن کے مقابلہ میں متحد رہیں گے۔ ہجرت کے 17 ماہ بعد 15 شعبان 2ھ میں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا، اس سے پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ اخیر شعبان میں روزہ کی فرضیت نازل ہوئی، پہلا روزہ بروز بدھ یکم رمضان 2ھ سے شروع ہوا۔ اسی رمضان کے اخیر میں صدقۂ فطر اور نمازِ عید کا حکم نازل ہوا؛ اسی سال عیدالاضحیٰ کی نماز اور قربانی کا حکم نازل ہوا، اور بقولِ بعض روزہ کی فرضیت کے بعد زکوۃ بھی فرض ہوئی۔ شوال 3ھ میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ مشہور قول کے مطابق سنہ 4ھ میں پردہ کا حکم اور آیتِ تیمم بھی نازل ہوئی۔ 7ھ میں فتحِ خیبر کے موقع پر پالتوں گدھوں کے گوشت اور متعہ کی حرمت کا اعلان ہوا۔ 11 صفر 2ھ میں مسلمانوں پر جہاد فرض ہوا۔ 13- 14 برس تک آپ ﷺ دلائل سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور کفار کے ہر ظلم وستم برداشت کرتے رہے مگر اب حمایتِ حق اور اشاعتِ اسلام کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا۔ جس جہاد میں آپ ﷺ خود شریک تھے اسے غزوہ اور جس میں آپ ﷺ شامل نہیں تھے اسے سریہ کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ راجح قول کے مطابق غزوات کی تعداد (27) اور سرایا کی تعداد (35) ہے۔ نو (9) غزوے میں جنگ کی نوبت پیش آئی ہے۔

ایک دو غزوے کا ذکر کیا جارہا ہے۔ غزوۂ بدر: بدر اس مقام کا نام ہے جو مدینہ سے 80 میل جنوب مغرب کی جانب ہے۔ مسلمان اور کفار کے درمیان پہلی عظیم الشان لڑائی اسی مقام پر 17 رمضان المبارک 2ھ/ جنوری 624ء کو ہوئی۔ کفارِ مکہ نے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ایک بڑی فوج تیار کی۔ اور نبیٔ کریم ﷺ نے 313 صحابہ کی مختصر فوج لے کر دشمن سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ بدر میں دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو قریش کے مقابلے میں شان دار فتح حاصل ہوئی اور دشمنوں کو بھاری جانی ومالی نقصانات اٹھانا پڑا۔ اس لڑائی نے قریش کو حواس باختہ کردیا اور ان کی مسلمانوں کے خلاف سرگرمیاں پہلے سے تیز ہوگئیں۔ غزوۂ بدر نے دوسرے عرب قبائل کو بھی چوکنا کردیا اور اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے لوگ حیران وپریشان ہوگئے اور اپنے لئے اسے حقیقی خطرہ محسوس کرنے لگے۔

غزوۂ اُحد: احد، مدینہ کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے۔ 5 شوال 3ھ کو ابوسفیان کی سرکردگی میں 3000 کا لشکر مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ کفار کے لشکر نے اُحد کے قریب آکر پڑاؤ ڈالا۔ ان سے مقابلے کے لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کی فوج لے کر آگے بڑھے اور زبردست لڑائی ہوئی۔ پہلے مسلمان غالب آئے، بعد میں ایک غلطی کی وجہ سے مغلوب ہوگئے۔ مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصانات اٹھانے پڑے۔ خود نبیٔ کریم ﷺ بھی زخمی ہوگئے۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کفار واپس چلے گئے اور مدینہ ان کے شرور وفتن سے محفوظ رہا۔ نبیٔ کریم ﷺ 10 سال تک مدینہ میں رہے۔ اس درمیان آپ ﷺ کو کئی لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں بدر، اُحد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتحِ مکہ، حنین وطائف اور تبوک کی جنگیں مشہور ہیں۔ دسویں سال آپ ﷺ نے حج کا فریضہ ادا کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ سے اوپر مسلمانوں نے بھی حج کیا۔ آپ ﷺ نے (9) ذوالحجہ کو میدانِ عرفات میں ایک تاریخی خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے نہایت ہی اہم احکام وفرامین ارشاد فرمائے۔

ان میں سے کچھ فرامین یہ ہیں ۔(1)-:عربی اور غیر عربی میں کوئی فرق نہیں ۔ہم سب ایک آدمؑ کی اولاد ہیں ۔آدمؑ کو اللہ تعالی نے مٹی سے بنایا ہے۔اصل امتیازی حیثیت کی بنیاد تقوی ہے ۔(2)-:مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔(3)-:اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ۔(4)-:عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تمہارا ان پر اور ان کا تم پر حق ہے ۔(5)-:میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں تم ان پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرتے رہو گے تو کبھی بھی صحیح راستے سے نہیں بھٹکو گے ۔ان میں سے ایک اللہ کی کتاب قرآن ہے اور دوسری چیز میری سنت ہے ۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: تم سے اللہ کے یہاں میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم یہی کہیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ کا مکمل دین ہم تک پہنچا دیا ہے ۔ پھر آپ ﷺ نے آسمان کی جانب انگلی اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو جس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا اسے آپ ﷺ نے بحسنِ خوبی پورا فرما دیا۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا مذہب جزیرۂ نما عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اللہ تعالی نے بھی مذہبِ اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان فرما دیا: (الیوم الخ سورہ مائدہ:3)" آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

اس آیت کے نزول سے ہی کچھ لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب آپ ﷺ ہم سے وداع فرمانے والے ہیں ۔اور ایسا ہی ہوا۔ حج سے واپس آنے کے بعد آپ ﷺ بیمار ہو گئے بدھ 28 صفر 11ھ/ مئی 632ء سے مرض کی ابتداء دردِ سر اور بخار سے شروع ہوئی ۔ جب مرض میں شدت ہو گئی تو ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر بروز پیر 5 ربیع الاول کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں منتقل ہو گئے، اور مسجد میں جانا بند ہو گیا۔ آنحضور ﷺ نے 8 ربیع الاول بروز جمعرات کو مغرب کی سب سے آخری نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا حکم دیا، انھوں نے کل 17 سترہ نمازیں پڑھائیں ۔ بالآخر تریسٹھ (63) سال کی عمر میں بروز پیر دوپہر کے وقت 12 ربیع الاول 11ھ مطابق 9 جون 632ء کو آپ ﷺ کی ام المؤمنین عائشہؓ کے گھر میں وفات ہوئی ۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون.

اس کے بعد جب صحابۂ کرام کے اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو منگل کے روز آپ ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا اور تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ اس کے بعد باری باری دس دس صحابۂ کرام نے حجرۂ شریف میں داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھی ۔ کوئی امام نہیں تھا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کے گھرانہ کے لوگ (بنو ہاشم) نے نماز پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور ان کے بعد بچوں نے نمازِ جنازہ پڑھی ۔ اس کے بعد تدفین عمل میں آئی ۔ صلی اللہ علیہ وسلم. حضور ﷺ کی تبلیغ و رسالت کے کل ایام (8156) دن ہوتے ہیں ۔ اور پوری زندگی کے کل ایام (22330) دن اور 6 گھنٹے ہو جاتے ہیں. (حالات المصنفین و تذکرۃ الفنون ص:22)۔

یارب صل وسلم دائما ابدا ..... علی حبیبك خیر الخلق کلهم

مسعود عالم معروفی قاسمی: الجامعۃ الاسلامیۃ ہاجرہ للبنات پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو یوپی انڈیا۔ موبائل نمبر: 9369678750